امام ابو حنیفہؒ کی مجلس مشاورت اور قانون سازی

تحریر: پروفیسر محفوظ احمد، گورنمنٹ ٹیکنیکل ٹیچرز ٹریننگ کالج، فیصل آباد۔

جب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر، ایران اور دیگر وسیع و عریض علاقوں میں پہنچا تو مسلمانوں میں معاشی، معاشرتی، تجارتی انتظامی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل و تعلقات اور ہمہ جہتی معاملات پیچیدہ ہوگئے۔ ان حالات میں اگر اسلامی احکامات کو قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کی ظاہری عبارات تک محدود کردیا جاتا تو نہ صرف ان جدید مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کرنا نہ ممکن ہوتا بلکہ اسلام پر بھی دیگر ادیان کی طرح جمود طاری ہوجاتا۔ چونکہ اسلام ایک عالمگیر، ہمہ جہت اور ابدی دین ہے۔ اس کی عالمگیریت اور ابدیت صرف اجتہاد پر مبنی ہے۔ لہذا اس کی عالگیریت اور ابدیت کو قائم رکھنے کیلئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو نئے حالات و واقعات میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کو اسلامی روح کے مطابق اس انداز سے پیش کرے جس سے لوگ آسانی کے ساتھ ان مسائل پر عمل کرسکیں۔

اس جماعت کے اراکین کیلئے ضروری تھا کہ وہ اعلیٰ ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، معاشرتی حالات، اور معاشرے کے وسیع اور بدلتے ہوئے احوال سے باخبر ہوں۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث، عربی زبان وادب، مجتہدانہ بصیرت عہد رسالت اور عہد صحابہ کے حالات سے آگاہی اور اسلام کے مکمل علمی ذخیرے پر کامل عبور رکھتے ہوں۔

اس صورت حال کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہؒ تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے حالات زمانہ کی نزاکت اور عوام کی ضرورت کے پیش نظر فوری اقدام اٹھایا اور ایک مجلس مشاورت تشکیل دی۔ جس کے تمام ارکان نے خدا داد ذہانت وفراست دیانت واخلاص، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبہ خدمت کے پیش نظر اپنی پوری زندگیاں اور تمام قابلیتیں اسلامی دستور کی تدوین جدید کیلئے وقف کردیں۔ انہوں نے کسی سرکاری اور حکومتی مراعات کے بغیر اتنا کام کیا جس ۔ ، تحقیق واجتہاد اور استنباط مسائل کی نئی راہیں کھلیں۔ اس کے علاوہ اس جماعت نے آئینی اصول وضوابط اور مسائل شرعیہ کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کیا جو حکومتوں کی سرپرستی میں چلنے والی بڑی سے بڑی تنظیم، جماعتیں اور علمی ادارے بھی

آسانی سے پیدا نہیں کرسکے۔

زیر نظر مقالہ میں تعارف امام اعظم، مجلس مشاورت کا تاریخی پس منظر، تدوین فقہ کے اسباب مجلس مشاورت کے اجتہادی اصول، مجلس مشاورت، طریقہ تدوین، مجموعہ مدونہ، مقصد تدوین، اور مجموعہ کی معدومی کے متعلق تحریر کیا جائے گا۔ ان عنوانات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ فقہ اسلامی کی تدوین میں امام اعظم ابوحنیفہ نے کتنی گرانقدر خدمت سرانجام دی۔

تعارف امام اعظمؒ

آپ کا نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم تھا۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ بمطابق ۶۹۹ء کو کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ثابت فارسی الاصل تھے۔ بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے آپ کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔

"انااسماعيل ابن حماد بن النعمان بن ثابت بن المرزبان من ابناء فارس الاحرار والله ما وقع علينارق قط" (۲)

"میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن المرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔

ابتداء میں آپ نے تجارت کا کام شروع کیا۔ تحصیل علم کی طرف آپ کو امام شعبی (م ۱۰۶ھ) نے آمادہ کیا پھر آپ تجارت چھوڑ کر حصول علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ ابتداء میں آپ نے علم ادب علم الانساب اور علم کلام میں مہارت حاصل کی اور ایسا کمال حاصل کیا کہ بصرہ آکر مناظرے کیا کرتے تھے۔ پھر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فن صحابہ کرامؓ وتابعین عظام کا نہیں ہے۔ لہذا علم فقہ کی تحصیل کی غرض سے فقیہہ عصر امام حماد بن مسلم (م ۱۲۰ھ) کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور دس برس تک ان کے حلقہ درس میں رہے (۳)

آپ کے اساتذہ کی تعداد تقریباً چار ہزار بتائی جاتی ہے لیکن آپ کے خاص الخاص استاد حماد ہی تھے (۴)

حضرت حماد کے مدرسہ سے فراغت کے بعد آپ نے کثیر محدثین سے سند حدیث

حاصل کی ۔ اس سلسلہ میں آپ نے طویل سفری صعوبتوں کو بھی برداشت کیا۔ ۱۰۲ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں پر بھی اخذ حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔

امام حماد کی زندگی تک آپ مسند تدریس سے کلیتاً الگ رہے لیکن جب ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کو اسی مدرسہ میں مسند نشین کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ اس کے بعد تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ سینکڑوں تشنگان علم و حکمت نے آپ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا۔ صاحب عقود الجمان نے ان کی تعداد آٹھ سو بتائی ہے اور ان کے ناموں کی فہرست ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے(۵)

چھبیس سال تک آپ تدریس ، افتاء اور دیگر فقہی امور میں خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۴۶ھ میں عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو عہدہ قضاء حقوق قبول کرنے کی درخواست کی چونکہ عباسی حکومت سے آپ کی ذہنی موافقت نہ تھی اس لئے آپ نے اس عہدہ کی قبولیت سے انکار کیا اور آپ کو بغداد کی جیل میں نظر بند کردیا گیا جہاں آپ کو ہر روز ۱۰ کوڑوں کی سزا دی جاتی۔ آخری ایام میں آپ کو زہر دیا گیا(۶)

اس طرح علم الفقہ کا وہ سورج جو ۸۰ھ کو کوفہ میں طلوع ہوا تھا عمر کی ۷۰ بہاریں دیکھ کر ۱۵۰ھ بمطابق ۷۶۷ء کو سجدے کی حالت میں غروب ہوگیا(۷) آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو بغداد میں خیزران کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد کا مفصل حال سیرت کی کتابوں میں موجود نہیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کی کوئی اولاد موجود نہ تھی(۸)

آپ کی چار تصنیفات بتائی جاتی ہیں۔

۱۔ فقہ اکبر — یہ عقائد کے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲۔ العالم والمتعلم — سوال و جواب کے انداز میں یہ بھی ایک مختصر رسالہ ہے۔

۳۔ مسند — اس مجموعہ میں ۵۲۳ احادیث منقول ہیں اسے محمد بن محمود خوارزمی (م ۶۶۵ھ) نے مرتب کیا ہے۔

۴۔ الرد علی القدریہ

امام ابوحنیفہؒ کی مجلس مشاورت

تاریخی پس منظر

عہد رسالتؐ میں ہی قیاس اجتہاد کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضورﷺ کے اصحاب میں سے جنہوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا وہ مجتہد اور فقیہہ کہلائے۔ ان میں چار صحابہ نہایت ممتاز تھے۔

(۱) حضرت عمر فاروقؓ (۲) حضرت علی المرتضےٰؓ

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ

ان میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زیادہ دیر تک کوفہ میں مقیم رہے۔ اسی بنا پر یہ شہر علم و فن کی درسگاہ بن گیا جہاں زیادہ تر مسائل و احکام کی ترویج ہوتی رہی۔ نتیجۃً کوفہ فقہ اسلامی کا دارالعلوم بن گیا۔

حضرت علیؓ نے چونکہ رسول اکرمﷺ کی صحبت میں بہت زیادہ وقت گزارا تھا اسی بنا پر آپ نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کیں۔ اس کے علاوہ آپ میں ذہانت، قوت استنباط و استخراج کا ملکہ بھی بدرجہ اتم تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار بھی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا تھا۔ آپ حضور اکرمﷺ کی صحبت میں کثرت سے حاضر ہوتے۔ اس بنا پر آپ کو بھی حدیث فقہ میں کامل صلاحیت حاصل تھی۔ لہذا آپ کوفہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے رہے اور بہت سے تلامذہ آپ کے حلقۂ درس میں جمع رہتے۔ اگرچہ کوفہ میں آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی لیکن ان میں حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ) اور حضرت اسود بن یزید نخعی (۷۵ھ) کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) کی وفات کے بعد انہوں نے ہی کوفہ کی مسند کو سنبھالا۔ حضرت اسود کی وفات کے بعد ان کے بھانجے حضرت ابراھیم نخعی (م ۹۵ھ) مسند نشین ہوئے۔ آپ کے عہد میں فقہ کو بہت وسعت ملی اور آپ کو فقیہہ العراق کا خطاب ملا۔ آپ کے عہد میں مسائل فقہ کا پہلا ایک مختصر مجموعہ تیار ہوا تھا۔ یہ مجموعہ دراصل حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کا خلاصہ تھے۔ یہ مجموعہ کتابی شکل میں مدون ہونے کی بجائے صرف زبانی شکل میں تھا۔ ان فتاوی کا سب سے زیادہ مجموعہ آپ

کے شاگردرشید حضرت حماد بن مسلم کے پاس تھا۔ لیکن آپ کے دور میں اس فن میں مزید کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ ۱۲۰ ھ میں جب آپ نے انتقال فرمایا تو اہل علم نے امام ابوحنیفہ کو اس مسند پر فائز کردیا۔

تدوین فقہ کے اسباب

تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کون سی خاص وجہ ہے جس بنا پر امام ابوحنیفہ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ رئیس احمد جعفری نے قلائد عقود العقیان کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے جو تدوین فقہ کی باعث بنا۔

دو شخص حمام میں نہانے گئے اور انہوں نے حمامی کے پاس کچھ امانت رکھی ان میں سے ایک نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت لے کر چلا گیا۔ جب دوسرا نہا کر باہر آیا تو اس نے بھی امانت طلب کی تو اس نے کہا میں نے تمہارے ساتھی کو امانت واپس کردی ہے۔ اس نے عدالت میں استغاثہ کیا۔ قاضی نے حمامی کو قصوروار ٹھہرایا اور کہا کہ جب دونوں نے مل کر تیرے پاس امانت رکھی تو تجھے چاہیے تھا کہ دونوں کی موجودگی میں امانت واپس کرتا۔ حمامی پھر حضرت امام اعظم کے پاس آیا اور ماجرا بیان کیا۔

آپ نے فرمایا کہ تم اس شخص سے کہو کہ میں امانت ادا کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے مطابق تنہا تمہیں نہیں دے سکتا۔ اپنے ساتھی کو لے آؤ اور امانت لے لو۔

نوٹ: اسی نوعیت کا ایک مقدمہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا تو حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ تیرا مال ہمارے پاس ہے۔ تو اپنے ساتھی کو لے آ۔ پھر تم دونوں کو مال ملے گا۔ (شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، ترجمہ، اشتیاق احمد، قدیمی کتب خانہ کراچی، (ت-ن) ج: ۴ص: ۴۷۸-۴۷۹)

اس واقعہ کے بعد آپ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا اور اس کی ترتیب شروع کی (۱۰)

بہرحال اگر آپ کے عہد کے حالات وواقعات کو ذرا غور سے دیکھا جائے تو بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے وقت کی ضرورت کے تحت تدوین فقہ کو ضروری سمجھا تھا۔ کیونکہ اس دور میں تمدن ومعاشرت کے وسیع ہونے کی وجہ سے عبادات اور معاملات میں

بہت سے مسائل پیش آنے لگے۔ جس کی وجہ سے اطراف و بلاد سے ہر روز سینکڑوں مسائل سے متعلق آپ کے پاس استفتاء آتے۔ جن کا جواب دینا آپ کیلئے تنگی وقت کے باعث بہت مشکل تھا۔

تدوین فقہ کیلئے مجلس مشاورت کی ضرورت کو اس لئے بھی محسوس کیا گیا کہ آپ کی طبیعت حدیث و فقہ میں بہت محتاط اور حساس تھی۔ سفر حجاز میں قیام سے اس سوچ میں مزید یہ پختگی ہوئی کہ ہر مسئلہ کے جواب میں پہلے خوب غور و فکر کرنا چاہیے۔ آپ نے قتادہ بصری سے مناظرہ کے دوران فرمایا تھا۔

علم والوں کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کے حل کیلئے وہ پہلے سے آمادہ ہو جائیں واقعہ ہونے سے پہلے ان کے بچنے کی جو صورتیں ہوں ان کو سوچ لینا چاہیے اور انہیں پہلے سے معلوم ہونا چاہیے کہ پیش آمدہ مسائل میں ابتلاء کے وقت کیا کرنا چاہیے (۱۱)

تدوین فقہ کے خیال آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت قضاۃ اور حکام فیصلوں میں بہت سی غلطیاں کرتے تھے۔ جن کی متعدد مثالیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے تحریر کی ہیں (۱۲)

اس کے علاوہ وہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اسلامی سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند اور روایت اس کا متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا ذکر صاحب عقود الجمان نے بھی اس طرح کیا۔

"ان الصحابة والتابعين رضى اللهعنهم انماكانوا يعتمدون على قوة حفظهم فلما راى ابوحنيفه العلم منتشراً خاف عليه فجعله ابواباً مبوبةوكتبا مرتبة" (۱۳)

صحابہ و تابعین زیادہ تر اپنی قوت حفظ پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام ابوحنیفہ نے علم کو منتشر ہوتا ہوا دیکھا تو آپ نے اس کے ضائع ہونے کا خوف محسوس کیا۔ پھر آپ نے احکام اسلامی کو ابواب میں بند کیا اور ایک کتاب مرتب کی۔

مولانا ابوالاعلی مودودی (م ۱۹۷۹ء) نے تدوین فقہ حنفی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے خلافت و ملوکیت کے صفحہ نمبر ۲۳۷ پر لکھا ہے:

ایک طرف مسلم ریاست کی حدود سندھ سے اسپین تک پھیل چکی تھی۔ جن میں مختلف تمدن، رسم ورواج کی حامل الگ الگ قومیں تھیں، روز بروز تجارتی، زرعی، عائلی، دستوری، دیوانی اور فوجداری قوانین وضوابط کے مسائل سامنے آرہے تھے۔ بین الاقوامی سطح پر جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بری و بحری مسافرت اور کسٹم وغیرہ کے مسائل درپیش تھے۔ دورملوکیت میں کوئی ایسا مسلم آئینی ادارہ نہ تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ اہل علم، فقیہہ اور مدبر بیٹھ کر ان مسائل کا حل سوچتے جو سرکاری سطح پر قانون کی حیثیت اختیار کرتا۔ انفرادی سطح پر اس مسئلے کوحل نہیں کیاجاسکتا تھا۔ ابن المقفع (م ۱۴۲ھ) نے اہل علم کی ایک کونسل بنانے کی تجویز بھی خلیفہ منصور کوپیش کی لیکن اس پر بھی عمل نہ ہوسکا۔ اس صورت حال میں امام اعظم ابوحنیفہ نے حکومت سے بے نیاز رہ کر غیر سرکاری مجلس وضع قانون تشکیل دی۔

یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر آپ کے دل میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ بہرحال آپ کو اس امر کا خیال ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا جب آپ کے استاد حضرت حماد نے وفات پائی۔ اس مجلس مشاورت کے دیگر پہلوؤں پر بحث کرنے سے قبل ان اجتہادی اصولوں کا ذکر کرنا زیادہ مناسب ہوگا جن کے مطابق اس مجلس نے مسائل فقیہہ کومدون کیا۔

مجلس مشاورت کے اجتہادی اصول

آئمہ فقہاء کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے متفقہ بنیادی ماخذ چار ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) سنت رسول ﷺ

(۳) اجماع (۴) قیاس

عہد رسالت ﷺ میں اجماع کے علاوہ باقی تینوں ماخذ سے استخراج مسائل (اجتہاد و استنباط) کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ ان بنیادی ماخذ کے باقاعدہ قواعد وضوابط پہلی صدی ہجری تک وضع نہیں کیے گئے تھے۔ اور نہ ہی ان کی کوئی عملی شکل قائم تھی۔ اجتہاد سے متعلق خاص علمی اصطلاحات بنی امیہ۔ کے آخری دور میں وضع کی گئیں اور ابو حذیفہ واصل بن عطا (م ۱۸۱ھ) نے پہلی مرتبہ احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ ثبوت حق کے چار طریقے ہیں۔

(۱) قرآن ناطق (۲) حدیث متفق علیہ
(۳) اجماع امت (۴) عقل و حجت (قیاس)

اس کے نزدیک عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں۔ نسخ صرف اوامر اور نواہی میں ہوسکتا ہے۔ اخبار وواقعات میں نسخ کا احتمال نہیں۔ اس لحاظ سے اصول فقہ میں واصل بن عطا کی طرف اولیت کا فخر منسوب کیاجاتا ہے(۱۴)

حضرت امام ابوحنیفہ نے اجتہاد واستنباط، استخراج مسائل کے قواعد وضوابط باقاعدہ طور پر وضع کیے آپ کی علمی زندگی میں سب سے عظیم اور قابل قدر خدمت اصول استنباط ہی کا انضباط ہے اس کے بعد یہ فن ایک مستقل فن بن گیا۔ آپ کے بعد اصول فقہ سے متعلق سب سے پہلی باقاعدہ کتاب امام الشافعی (م۲۰۴ھ) نے "کتاب الرسالۃ" کے نام سے لکھی۔

قرآن مجید

قرآن مجید تمام آئمہ فقہاء کے نزدیک فقہ اسلامی کا سب سے اول ماخذ ہے۔ دبستان حنفیہ نے بھی مسائل فقیہہ کے استخراج کےلئے کتاب اللہ کو ماخذ اولی قرار دیااور متعدد بار اس کا ذکر بھی کیا۔

موفق بن احمد مکی (م۵۶۸ھ) نے امام اعظم کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"انی اخذبكتاب الله اذا وجدته"(۱۵)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی مسئلہ کو قرآن مجید میں پاتاہوں تو قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کرتاہوں۔

ایک اورمقام پر آپ کا یہ قول منقول ہے۔

"اذا وجدت الامرفى كتاب الله..... ولم اصرف عنه"(۱۶)

جب میں کسی مسئلہ کاذکر قرآن مجید میں پاتاہوں تو اس سے انحراف نہیں کرتا۔

لہذا مجلس مشاورت کا پہلا اجتہادی اصول یہ تھا کہ ہر مسئلہ کو سب سے پہلے قرآن مجید میں دیکھو اگر واضح حکم ملتا ہے تو اس پر عمل کرو۔

سنت رسول ﷺ

حنفی مجلس مشاورت میں اصول اجتہاد کی دوسری بنیاد رسول اکرم ﷺ کی سنت تھی۔ اس ضمن میں خطیب بغدادی نے آپ کا یہ قول تحریر کیا ہے:

"فمالم اجدفبسنة رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم" (۱۷)

اگر میں کسی مسئلہ کو قرآن مجید میں (صراحتاً) نہ پاؤں تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

علامہ مکی نے بھی اسی طرح کا قول بیان کیا ہے کہ جب میں کسی معاملے کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پاتا ہوں تو اسے اختیار کرتا ہوں اور اس سے انحراف نہیں کرتا (۱۸)

جو مسئلہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا اسے آپ قطعی سمجھتے اور جو چیز سنت رسول ﷺ سے ثابت ہو اسے ظنی قرار دیتے۔ احکام قرآنیہ کو فرض اور اوامر سنت کو واجب قرار دیتے اور ایسے ہی منہیات قرآن کو حرام اور منہیات سنت کو مکروہ تحریمی کہتے۔

بقول میاں صدیقی آپ نے یہ فرق وامتیاز اس لئے کیا تاکہ ثبوت واستدلال کے لحاظ سے سنت کا درجہ قرآن سے مؤخر رہے (۱۹)

سنت پر قیاس کی ترجیح کا الزام

باوجود اس کے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا ماخذ حدیث رسول ﷺ قرار دیا ہے لیکن پھر بھی بعض فقہاء اور علماء کے درمیان یہ موضوع بڑا اہم رہا ہے کہ آپ اجتہاد واستنباط میں سنت پر کس حد تک اعتماد کرتے ہیں اور قیاس کو کتنی ترجیح دیتے ہیں۔

بہرحال یہ قول کہ آپ قیاس کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں راجح نہیں ہے کیونکہ یہ نظریہ آپ کے وضع کردہ ان اصول وضوابط کے خلاف ہے جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کئی اکابرین نے بھی آپ کی خدمت میں جاکر آپ سے اس شکوے کا اظہار کیا لیکن وہ آپ کا جواب سن کر مطمئن ہوگئے۔ جیسے موفق الدین مکی نے امام باقر (م ۱۱۴ھ) سے آپ کی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے جب دوسری مرتبہ ۱۰۲ھ میں مدینہ منورہ میں حاضری دی تو آپ

امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم قیاس کی بنا پر میرے دادا کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو پھر تین مسائل پر ان کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

پہلا مسئلہ

امام ابوحنیفہؒ: مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت

امام باقرؒ : عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ ضعیف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ: حدیث میں عورت کا (وراثت میں) کتنا حصہ مقرر ہے۔

امام باقرؒ : مرد کیلئے دو حصے اور عورت کیلئے ایک حصہ مقرر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ: یہ آپ کے دادا کا علم ہے اگر میں نے آپ کے دادا کے دین میں کچھ تبدیلی کی ہوتی تو پھر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو ایک حصہ دیا جائے اور عورت کو دو حصے کیونکہ عورت مرد سے زیادہ ضعیف ہے اور زیادہ مدد کی حقدار ہے۔

دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ جس میں آپ نے اس فکر کی تردید کی یہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ: نماز افضل ہے یا روزہ

امام باقرؒ : نماز روزے سے افضل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ: یہ آپ کے دادا کا ارشاد ہے اگر میں آپ کے دادا کے حکم کو بدلتا اور رائے وقیاس سے کام لیتا تو یہ حکم دیتا کہ عورت جب حیض سے پاک ہو تو نماز کی قضا کرے اور روزوں کی قضا نہ کرے۔

"ان المراة اذا طهرت من الحيض امرتهاان تقضى الصلواة ولا تقضى الصوم"

تیسرا مسئلہ

تیسرا مسئلہ آپ نے اس ضمن میں یہ بیان فرمایا:

امام ابوحنیفہؒ: پیشاب زیادہ نجس ہے یا مادہ تولید

امام باقرؒ: بول زیادہ نجس ہے

امام ابوحنیفہؒ: اگر میں قیاس اور رائے کو آپ کے دادا کے علم پر ترجیح دیتا تو یہ کہتا کہ بول کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور مادہ تولید کے اخراج کے بعد وضو ہی کافی ہے۔

"فقام ابوجعفر فعانقه والطفه واکرمه وقبل وجهه"(٢٠)

پھر ابوجعفر (امام باقرؒ) کھڑے ہوئے انہوں نے آپ سے معانقہ کیا۔ آپ کو دعا دی اور آپ کی عزت کی اور آپ کے چہرہ کو بوسہ دیا۔

امام شعرانیؒ (م٩٧٣ھ) نے بھی ایک روایت نقل کی ہے:

ابو مطیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ تھا تو سفیان ثوری (١٦١ھ) مقاتل بن حیان (م١٤٩ھ) حماد بن سلمہ (م١٦٧ھ) اور جعفر صادقؒ (م١٤٨ھ) آپ کے پاس آکر کہنے لگے:

"قدبلغناانک تکثر من القیاس فی الدین وانا نخاف علیک منه فان اول من قاس ابلیس فناظرهم من بکرة نهار الجمعة الی الزوال وعرض علیهم مذهبه وقال انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضیة الصحابه مقدما ما اتفقوا علیه علی ما اختلفوا فیه وحینئذ اقیس"(٢١)

ہمیں آپ کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں اور اس سے ہم خوف محسوس کرتے ہیں کیونکہ پہلا شخص جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ پھر انہوں نے جمعہ کی صبح سے لے کر دوپہر تک آپ سے مناظرہ کیا اور آپ نے اپنا مذہب (طریق عمل) یہ بیان فرمایا کہ میں سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتا ہوں۔ پھر سنت رسول ﷺ کو دیکھتا ہوں۔ پھر صحابہ کے فیصلوں کو دیکھتا ہوں جن میں انہوں نے اتفاق کیا اور جن میں انہوں نے اختلاف کیا پھر میں قیاس کرتا ہوں۔

اس کے بعد علامہ شعرانیؒ نے فرمایا:

"فقاموا کلهم وقبلوایده ورکبته وقالوا له انت سید العلماء فاعف عنا فیما مضی هنا من وقیعتنافیک بغیر علم فقال غفراللّٰهلنا ولکم اجمعین"(٢٢)

پھر وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ علماء کے سردار ہیں اس سے پہلے علم کے بغیر ہم نے آپ کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس

سے معافی چاہتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالی ہمیں، آپ کو اور سب کو معاف فرمائے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی آپ کو ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اس نے لکھا:

میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کے جواب میں آپ نے لکھا:

"لیس الامرکما بلغک یا امیرالمؤمنین انمااعمل اولاً بکتاب اللہثم بسنتة رسول اللہصلی اللہعلیه وسلم ثم باقضیة ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہعنهم ثم باقضیة بقیة الصحابه ثم اقیس بعد ذلک "(۲۳)

اے امیر المؤمنین آپ تک جو بات پہنچی ہے وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ ﷺ پھر خلفاء اربعہ کے فیصلوں اور پھر دیگر صحابہ کے فیصلوں پر عمل کرتا ہوں (اگر کسی مسئلہ کا جواب صراحتاً ان سے نہ ملے) پھر میں قیاس کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث دوسرا بنیادی ماخذ ہونے کی تائید اور قیاس کو حدیث پر راجح قرار دینے کی تردید قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی کتاب الآثار دیکھنے سے بھی ہوتی ہے آپ کس طرح خبر واحد کو قبول کر کے مسائل کے استخراج کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اس کے متن سے استدلال لیتے ہیں اور اس سے علل واحکام کا استخراج کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں زنا کی سزا کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة(۲۴)

زانیہ عورت اور زانی مرد (غیر شادی شدہ) کو جرم زنا پر سو کوڑے لگائے جائیں اس آیت میں شادی شدہ اور کنوارے کی بظاہر کوئی تخصیص نہیں۔ احادیث نبویہ ﷺ سے ہی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم اور غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا ایک سو کوڑے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث کی رو سے قرآنی حکم پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور حدیث کے مطابق شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا کو راجح قرار دیا

اسی طرح حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا

"من ضحک ان یعیدالوضوء والصلواۃ(۲۵)

جس کسی نے نماز میں قہقہ لگایا وہ از سر نو وضو کر کے نماز لوٹائے۔
امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرف سے امام محمد استدلال کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں:
"کان القیاس علی ما قال اهل المدینة ولکن لاقیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للاثار" (٢٦)
یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں اور حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔
اس طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"من اکل ناسیاً وهو صائم فلیتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه" (٢٧)
جس کسی نے بھول کر روزے کی حالت میں کوئی چیز کھالی اسے چاہیے کہ وہ اپنے روزے کو پورا کرے بے شک اسے اللہ تعالی نے کھلایا اور پلایا ہے۔ یعنی اس شخص کا نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی قضا ہے۔
اس مسئلہ کے متعلق بھی امام محمد فرماتے ہیں:
"لولا جاء فی هذا من الاثار لامرت بالقضا" (٢٨)
اگر حدیث میں ایسا نہ آتا تو میں اس صورت میں روزے کی قضا کا حکم دیتا۔
ان مسائل کے علاوہ علامہ ابوالمحاسن محمد بن یوسف الشافعیؒ (م ۹۴۲ھ) نے عقود الجمان کے باب نمبر ۸ میں امام ابو حنیفہ کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں جن میں آپ نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ میں حدیث کے مقابلے میں قیاس کو راجح قرار نہیں دیتا (۲۹)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قدیم علماء حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اس حدیث کو قبول نہیں کرتے جو قیاس جلی کے خلاف ہو اسی اعتراض کو عصر حاضر کے غیر مقلدین نے اس قدر بڑھادیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ مطلقاً حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں اور حدیث پر عمل نہیں کرتے۔
علامہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانیؒ (م ۵۴۸ھ) نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف "

کتاب الملل والنحل" میں اصحاب الرائے کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

"ربمایقدمون القیاس الجلی علی آحاد الاخبار" (۳۰)

اصحاب الرائے کبھی قیاس جلی کو خبر واحد پر مقدم بھی کردیتے ہیں۔

امام فخرالدین رازیؒ (م۶۰۶ھ) نے بھی مناقب الشافعی میں اس کی جا بجا تصریح کی ہے (۳۱)

اس رائے کے متعلق علامہ عبداللہ بن احمد النسفی (م ۷۱۰ھ) نے المنار میں اور ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ) نے نورالانوار میں اس طرح وضاحت کی:

"والراوی ان عرف بالفقه والتقدم بالاجتهادکالخلفاء الراشدین والعبادله.... کان حدیثه حجة یترک به القیاس" (۳۳)

اگر راوی فقیہہ ہے اور اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے اس کو حق تقدم حاصل ہے جیسے خلفاء راشدین اور عبادلہ۔---- تو اس کی روایت کردہ حدیث قابل حجت ہے اگر قیاس اس حدیث کے خلاف ہو تو قیاس کو ترک کردیا جائے گا۔

غیر فقیہہ راوی کے متعلق یہ قول منقول ہے:

"وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه کانس وابی هریرةوان وافق حدیثه القیاس عمل به وان خالفه یترک الابالضرورة" (۳۴)

اگر راوی کی عدالت اور ضبط روایت معروف ہو لیکن فقہ معروف نہ ہو جیسے حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ اگر اس قسم کے راوی کی روایت کردہ حدیث قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر قیاس خلاف ہو تو یو بغیر ضرورت کے ترک نہیں کیا جائے گا۔

اس اصول کے متعلق ملا جیون اور شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ یہ اصول احناف کا مسلمہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف امام محمدؒ کے شاگرد عیسیٰ بن ابانؒ (م ۲۲۱ھ) کا ہے ابوالحسن عبیداللہ کرخیؒ (۳۴۰ھ) نے اس اصول کی مخالفت کی ہے (۳۵)

معترضین نے اس کی تائید میں "بیع مصراة" کی مثال پیش کی ہے۔ جس کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کیا ہے۔

"من ابتاع شاة مصراة فهو فیها بالخیار ثلاثة ایام فان شاء امسکها وان

شاء ردها وردمعها صاعا من تمر"(٣٦)
جو شخص مصراۃ(دودھ چڑھی ہوئی بکری) خریدے پھر جا کر اس کا دودھ دھوئے اگر اس کا دودھ پسند آئے تو رکھ لے اگر پسند نہ آئے تو بکری اور ایک صاع (تقریباً چار کلو) کھجور واپس کرے۔ احناف کے نزدیک ایک صاع کھجور کی واپسی ضروری نہیں (۳۷) جبکہ شوافع وحنابلہ کے ہاں ایک صاع کھجور ادا کرنا ضروری ہے (۳۸)

امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے شرح معانی الاثار میں تفصیلاً اس کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے متعلق لکھا ہے:

"وذهبوا الى ما روى عن رسول اللّٰهصلى اللّٰهعليه وسلم فى ذلك مما تقدم ذكرناله فى هذا الباب منسوخ"(٣٩)
یعنی یہ لوگ (طرفین) اس بات کے قائل ہیں کہ اس بارے جو کچھ رسول ﷺ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

آپ کے نزدیک اس حدیث کی ناسخ وہ روایت ہے جسے امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"البيعان كل واحدمنهمابالخيارعلى صاحبه مالم يتفرقا الا بيع الخيار"(٤٠)
بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک دونوں جدا نہ ہوں سوائے اس بیع کے جس میں اختیار کی شرط کی گئی ہو۔

چونکہ بیع المصراۃ میں اختیار کی شرط ہوتی ہے لہذا اس حدیث کی رو سے اصل چیز کے علاوہ کوئی اضافی چیز نہیں دی جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کے نزدیک صرف دودھ کی قیمت دی جائے گی (۴۱)

لہذا مخالفین کا یہ اعتراض حقیقت پر مبنی نہیں کہ احناف حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث پر عمل نسخ کی وجہ سے ترک کیا گیا ہے۔ نہ کہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دینے سے۔

احادیث سے احکام کی منسوخی کا اصول وہ طرز تحقیق ہے جو صحابہؓ میں بھی رائج تھا۔ جیسے سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"توضوا مما مست النار" (۴۲)

جس چیز کو آگ نے مس کیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب ان الفاظ کو سنا تو فرماتے لگے:

"اتوضا من الحميم فقال له يا ابن اخي اذا سمعت عن رسول اللہصلی اللہعلیه وسلم حديثا فلا تضرب له الامثال" (۴۳)

کیا گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد بھی وضو کرنا ہوگا۔ یہ سن کا حضرت ابوہریرہؓ نے کہا اے بھتیجے رسول اللہ ﷺ کی جب حدیث سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو۔

بقول شبلی حضرت ابن عباسؓ اپنی رائے پر قائم رہے (۴۴)

امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے "توضوا مما مست النار" حدیث کو اس حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی نے روایت کیا ہے:

"ان رسول اللہصلی اللہعلیه وسلم اكل كتف شاة ثم صلى ولم يتوضا" (۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا پھر آپ نے نماز ادا کی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مجلس تعزیت میں یہ روایت بیان کی:

"الميت يعذب ببكاء اهله" (۴۶)

میت کا خاندان والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

تمہارے لئے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے۔

"ولاتزر وازرة وزرا اخرى" (۴۷)

کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور روایت یہ منقول ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"من غسل ميتا فليغسل ومن حمله فليتوضاء" (۴۸)

جو شخص میت کو غسل دے اسے چاہیے کہ وہ (بعد میں) خود غسل کرے اور جو جنازہ اٹھائے اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ وضو کرے۔

یہ روایت سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:
"ایلزمناالوضوء من حمل عیدان یابسة" (۴۹)
کیا ہم پر دو خشک لکڑیاں اٹھانے سے وضو لازم آئے گا۔
اس طرح کی دیگر اور روایات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے حجۃ اللہ البالغہ کی جلد دوم کے تتمہ باب اسباب اختلاف الصحابہ والتابعین فی الفروع میں نقل کی ہیں (۵۰)
ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ بعض احادیث کی منسوخی کے قائل تھے اسی طرح امام اعظمؒ بھی بعض احادیث کی منسوخی کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ناسخ حدیث کی نشاندھی بھی کردیتے ہیں۔ نیز ان روایات سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ نے کسی مسئلہ میں صرف خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے کسی حدیث کو ترک نہیں کیا بلکہ اس حدیث کے نسخ کا دعوی کرتے ہیں۔ لہذا غیر مقلدین اور دیگر معترضین کو اس معاملے میں غور وفکر کرنا چاہیے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ احادیث کے متعلق آپ کی شرائط نہایت سخت تھیں۔ جب تک کوئی حدیث ان شرائط پر پوری نہ اترتی آپ اس کو قابل استدلال نہ سمجھتے۔ لیکن جب ان شرائط پر کوئی حدیث پوری اترتی تو پھر قیاس کو یکسر نظر انداز کردیتے۔
خطیب البغدادی نے اس ضمن میں سلیمان بن مہران المعروف الاعمشؒ (م ۱۴۸ھ) کے متعلق نقل کیا ہے کہ اس نے قاضی ابو یوسف سے پوچھا:
"کیف ترک صاحبک ابوحنیفه قول عبدالله عتق الامة طلاقها"
آپ کے استاد ابو حنیفہؒ نے لونڈی کی آزادی اس کو طلاق دینے میں ہے" کے متعلق اپنا مسلک کیوں بدلا تو آپ نے کہا:
"ترکه لحدیثک الذی حدثته عن ابراهیم عن الاسود وعن عائشةان بریره حین اعتقت خیرت" (۵۱)
اس حدیث کی وجہ سے جسے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے روایت کیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے آزادی کے لئے اختیار دیا تھا۔
"قال الاعمش ان اباحنیفه لفطن" (۵۲)
یہ سن کر اعمش نے کہا بے شک ابو حنیفہ ماہر آدمی ہیں۔
بہرحال یہ مسلمہ بات ہے کہ جو حدیث آپ کی شرائط پر پوری اترتی اس کو ہر

حالت میں قبول کرتے۔ اس پر عمل کرتے اگرچہ وہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔

شرائط قبولیت حدیث

قبولیت حدیث میں آپ کی شرائط کیا تھیں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ معترضین اس بات کو سمجھ سکیں کہ کون سی حدیث آپ کی شرائط پر پوری اترتی تھیں۔

علامہ محمد بن زاہد الکوثریؒ نے تانیث الخطیب فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب کے صفحہ ۲۲۳-۲۲۵ پر ان اہم اصولوں کا ذکر کیا ہے جن کے مطابق آپ کسی حدیث کو قابل حجت تسلیم کرتے تھے۔ ان اصولوں کو مولانا محمد حنیف گنگوہی نے غاية السعادة میں نقل کیا ہے۔ آپ کے قبولیت حدیث کے اہم اصول حسب ذیل تھے۔

۱۔ **قبول مرسلات ثقات:** ان سے مراد ثقہ راویوں کی مرسل روایات ہیں۔ یہ اس وقت قابل قبول ہوتیں جب ان سے قوی کوئی روایت معارض نہ ہو۔

۲۔ خبر واحد میں سے اگر کوئی خبر عموم یا ظاہر قرآن کے مخالف ہوتی تو کتاب اللہ پر عمل کرتے۔ اگر کوئی خبر قرآن مجید کے مخالف نہ ہوتی تو اسے لے لیتے۔

۳۔ خبر واحد پر اس وقت عمل کرتے جب وہ سنت مشہورہ خواہ وہ سنت فعلیہ ہو یا قولیہ کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنی ہی جیسی خبر کے معارض ہو بوقت معارض جس کا راوی زیادہ فقیہ ہو راجح قرار پائے گی۔

۴۔ خود راوی کا عمل اس خبر کے مخالف نہ ہو۔

۵۔ متن یا سند کے لحاظ سے زیادتی والی روایت کو احتیاط فی الدین کے نقطہ نظر سے کمی و نقص والی روایت پر محمول کرنا۔

۶۔ خبر واحد کا تعلق عام یا کثرت کے ساتھ پیش آنے والے عمل سے نہ ہو۔ ایسے عمل پر حکم کا ثبوت شہرت یا تواتر کے بغیر نہ مانا جائے گا۔ اسی میں حدود و کفارات بھی داخل ہیں جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

۷۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف رہا ہو تو اختلاف کرنے والے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کو خبر واحد سے احتجاج و استدلال ترک کر دیا ہو یا ایسی صورت میں بھی اس خبر واحد کو معمول بہ نہ بنائیں گے۔

۸۔ اگر کسی خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن کیا ہو تو وہ قابل حجت نہ ہو گی۔
۹۔ اختلاف روایات کی موجودگی میں حدود و عقوبات کے اندر کم سزا والی روایت قابل عمل ہو گی۔
۱۰۔ راوی کو سماعت حدیث سے لے کر روایت حدیث تک روایت برابر یاد رہی ہو۔ درمیان میں کبھی وہ روایت بھولی نہ ہو۔ نہ ہی اپنی تحریر روایت پر بھروسہ کر کے اسے روایت کیا ہو۔
۱۱۔ شہادت کی وجہ سے ساقط ہو جانے والی حدود سے متعلق مختلف روایات کی موجودگی میں احوط کو اختیار کرنا جیسے چوری کے نصاب میں تین درہم والی روایت کی بجائے دس درہم والی روایت کو معمول بہ ماننا۔
۱۲۔ وہ حدیث قابل عمل ہے جس کی تائید میں آثار زیادہ ہوں۔
۱۳۔ خبر واحد صحابہ و تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو(۵۳)

ان اصولوں پر پوری اترنے والی حدیث دبستان حنفی میں قابل حجت ہوتی اور اس پر ہر صورت عمل ہوتا ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا کچھ بھی ہو۔

اقوال صحابہ

شرعی معاملات میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد اقوال صحابہ کو قابل حجت تسلیم کرتے۔ اس ضمن میں آپ کے ارشادات بڑی وضاحت سے ملتے ہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے آپ کا یہ قول اس بارے میں نقل کیا ہے:

"انا نعمل اولا بکتاب اللّٰہ ثم بسنۃرسول اللّٰہ ثم باحادیث ابی بکر وعمر وعثمان و علی رضی اللّٰہعنہم" (۵۴)

سب سے پہلے ہم کتاب اللہ پر عمل کرتے پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر اور پھر ہم حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنھم کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

امام شعرانیؒ نے آپ کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہم اولاً مسائل کیلئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر آنحضور ﷺ کی سنت

سے تمسک کرتے ہیں اور پھر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں اور جس مسئلہ میں انہوں نے اتفاق کیا ہو اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں مختلف اقوال ہوں تو ان اقوال میں اختلاف ہو تو ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جو قول زیر بحث مسئلہ میں زیادہ معاون ثابت ہو(۵۵)

اقوال صحابہ کے متعلق شاہ ولی اللہؒ نے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:

امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کوئی ایسا قول کہیں جو قرآن کے مخالف ہو تو کیا کیا جائے آپ نے جواب دیا قرآن مجید کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا جب آپ کا کوئی قول حضور اکرم ﷺ کی خبر کے مخالف ہو تو فرمایا حدیث کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو پھر پوچھا گیا اگر آپ کا کوئی قول صحابہ کرامؓ کے قول کے مخالف ہو تو فرمایا:

"اتركوا قولي بقول الصحابه" (٥٦)

صحابہ کے قول کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دیں۔

آپ کے اس قول سے یہ بات کتنی عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ قرآن مجید، حدیث رسول ﷺ اور اقوال صحابہ پر کتنے عمل پیرا تھے۔

اجماع

تمام فقہاء کے نزدیک فقہ اسلامی کا متفقہ تیسرا بنیادی مصدر اجماع ہے۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے اجماع کی یہ تعریف بیان کی ہے:

"اتفاق امة محمد صلى اللهعليه وسلم خاصة على امر من الامور دينية" (٥٧)

رسول اللہ ﷺ کی امت کے مخصوص افراد کا دینی امور میں سے کسی امر پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔

علامہ سیف الاسلام بزدویؒ (م ۴۸۲ھ) کے نزدیک اجماع کے تین درجے ہیں۔

۱۔ **اجماع صحابہ:** یہ حدیث متواتر اور دیگر قطعی دلائل کی طرح قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کلام اللہ کے اولیں مخاطب تھے اور انہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا ہے۔

۲۔ اجماع تابعین: اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) کسی ایسے مسئلہ میں تابعین کا اجماع جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ یہ حدیث مشہور کی طرح ہے جو ثبوت کے لحاظ سے ظنی مگر عملاً قطعی ہو۔

(ب) تابعین کا کسی ایسے امر میں اجماع جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔ یہ خبر واحد کی طرح ہے جو ہر لحاظ سے ظنی ہے(۵۸)

امام ابوحنیفہ کے عہد میں اجماع کی یہ تینوں صورتیں تھیں۔ آپ اجماع کی ان صورتوں کو اپنے لئے قابل حجت تسلیم کرتے تھے۔ اس ضمن میں اگرچہ آپ کے متعدد اقوال اس سے پہلے نقل کیے گئے ہیں لیکن علامہ شوکانی (م ۱۲۵۵ ھ) سے منقول آپ کا یہ قول بھی پیش خدمت ہے:

"اذا اجمعت الصحابة على شئى سلمنا"(۵۹)

جس چیز پر صحابہ کا اجماع ہو وہ ہمیں تسلیم ہے۔

مد کور محمد سلام نے **منهاج الاجتهاد** میں امام صاحبؒ کے بلند پائیہ شاگرد حسن بن زیاد (م ۲۰۴ ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب وسنت یا اجماع کی موجودگی میں یہ کہے کہ اس مسئلہ میں میرے رائے یہ ہے(۶۰)

صحابہ وتابعین کے اجماع کے علاوہ آپ اہل کوفہ کے اجماع کو بھی تسلیم کرتے تھے مکی نے آپ کے متعلق حسن بن صالح کا اس ضمن میں یہ قول نقل کیا ہے:

"وكان عارفابحديث اهل الكوفة وفقه اهل الكوفة شديد الاتباع لما كان عليه الناس ببلده"(٦١)

آپ اہل کوفہ کی باتوں اور ان کی فقہ کو خوب پہچانتے تھے اور اپنے شہر والوں کے مسلک پر سختی سے عمل کرتے۔

اسی طرح کا ایک اور قول سھل بن مزاحم سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں:

"كلام ابى حنيفه اخذ بالثقة وفرارمن القبح والنظر فى معاملات الناس وماستقاموا عليه وصلح عليه امورهم"(٦٢)

آپ کا کلام ثقات سے منقول قبائح سے دور باہمی معاملات میں بصیرت وفراست اور لوگوں

کے مصالح کے تحفظ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

ان مذکورہ اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کی مجلس مشاورت کے دیگر ارکان صحابہ وتابعین کے علاوہ فقہاء کوفہ کے اجماع کی پیروی بھی کرتے تھے اور کسی مسئلہ میں نص نہ ملنے پر فقہاء کے تعامل کو اپنا مسلک قرار دیتے۔

قیاس

فقہ اسلامی کا چوتھا بنیادی ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کی تعریف عبدالوہاب خلاف نے یہ کی ہے:

"تسوية واقعة لم يردنص بحكمها بواقعة ورد نص بحكمهافى الحكم الذى ورد به النص التساوى الواقعتين فى علة هذا الحكم"(٦٣)

کسی منصوص حکم کے ساتھ اشتراک علت کی بنا پر ایک غیر منصوص مسئلہ کے حکم کا بیان قیاس ہے۔

قیاس کے فقہی ماخذ ہونے کی دلیل حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے بعد پوچھا تھا کہ تم وہاں جا کر کس طرح فیصلے کروگے تو آپ نے کہا:

''قرآن کی رو سے اگر قرآن میں کوئی حکم نہ پاؤں تو سنت رسول ﷺ کی رو سے اگر سنت میں وہ مسئلہ نہ پاؤں تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا'' ×

اس پر آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

"الحمدللهالذى وفق رسول رسول اللهلمايرضى رسوله"(٦٤)

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو مرضی رسول پر چلنے کی توفیق بخشی۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس حدیث کی روشنی میں اپنے مسلک کی بنیاد اٹھائی اور استدلال کے اصول وضع کیے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"اخذت بقول اصحابه من شئت وادع قول من شئت ثم لااخرج من قولهم الى قول غيرهم فاذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبى والحسن ، وابن سيرين و سعيد بن المسيب وعدد رجالا قداجتهدو فلى ان اجتهد كما

اجتھدوا" (٦٥)
کتاب وسنت کے بعد میں اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک قول کو لے لیتا ہوں اور کسی دوسرے قول کو چھوڑ دیتا ہوں لیکن ان اقوال سے باہر نہیں جاتا لیکن جب ابراہیمؒ، شعبیؒ، حسنؒ، ابن سیرینؒ اور سعید بن المسیبؒ وغیرہ کے اقوال کی بات آتی ہے تو پھر میں اجتہاد (قیاس) کرتا ہوں جیسے انہوں نے کیا۔

اس ضمن میں حسن بن زیاد کا یہ قول بھی منقول ہے جس میں آپ نے فرمایا: قرآن وسنت اور اجماع کے بعد جس معاملہ میں صحابہ کی آراء مختلف ہوں ان میں سے ہم دیکھتے ہیں کہ کون سی رائے کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہے۔ ہم اس کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہیں۔ اجتہاد ان فقہاء پر حل مسائل کی راہیں کشادہ کرتا ہے جو اختلاف کی نوعیت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ہمارے آئمہ اس اصول وبنیاد پر قیاس واجتہاد کرتے ہیں (٦٦)

آپ نے رائے اور قیاس سے بہت مدد کیوں لی اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ابوزہرہ نے لکھا ہے:

امام صاحبؒ کا مخصوص طرز اجتہاد، فہم حدیث کا اسلوب اور وہ مخصوص ماحول جس میں آپ نے ایام زندگی بسر کیے۔ یہ چند اسباب تھے جنہوں نے آپ کو کثرت قیاس اور اس کے تقاضا کے مطابق استخراج فروع پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا اجتہاد ان مسائل سے بھی متعلق تھا جو ہنوز واقع نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان کا وقوع ممکن تھا۔ نیز عراق میں فن حدیث کا چرچا کم تھا جو فقہاء وصحابہ وہاں موجود تھے وہ بھی رائے سے زیادہ کام لیتے تھے۔ وہ رائے کو اس بات سے بہتر سمجھتے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرے (٦٧)

مسلک حنفی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں قیاس کو بڑی وسعت سے استعمال کیا گیا تاہم قیاس کیلئے متعدد کڑی شرائط رکھی گئیں۔ ان میں سے چند شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) حکم اصل میں ایسی دلیل نہ پائی جاتی ہو جس سے اس کا مخصوص ہونا ثابت ہو جیسے حضور ﷺ کا تعدد ازدواج یا حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دوسری گواہی کے بغیر قبول کرنا۔

(۲) وہ نص معدول عن القیاس نہ ہو۔ یعنی وہ ایسی علت عام کے خلاف ہو جو شارع علیہ السلام

کے نزدیک معتبر سمجھی گئی ہو۔ جیسے بھول کر کھانے پینے والے کے روزہ کو باقی رکھنا۔

(۳) اصل کا حکم ایک ایسے امر کی طرف متعدی ہورہا ہو جس میں کوئی نص موجود نہ ہو(٦٨)

ان اصول و شرائط پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امام اعظم نے حدیث مبارکہ کے مطابق قیاس کے ذریعہ وسعت پذیر اسلامی معاشرے کی قانونی وفقہی ضروریات کی تشکیل کا ایک نہایت عمدہ اور گرانقدر طریقہ اختیار کیا جس طریقے میں ہر حکم کی روح اور اس کی غرض وغایت کو سمجھنا ضروری تھا۔

بعض حضرات آپ کے اس قیاس اور رائے پر شدید معترض ہوتے ہیں حالانکہ یہ قیاس سنت کے مطابق تھا اور صرف اس مقام پر ہوتا جہاں اس کی ضرورت محسوس کی جاتی۔

اس ضمن میں آپ کے مزید دو قول پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"انناننظر اولاً فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب والسنة او اقضیة الصحابه فان لم نجد دلیلاً قسنا حینئذمسکوتا عنه علی منطوق به بجامع اتحادالعلة بینهما" (٦٩)

کسی بھی مسئلہ کے حل کیلئے ہم سب سے پہلے قرآن مجید پھر سنت رسول ﷺ اور پھر صحابہ کرام کے اقوال کو دیکھتے ہیں اگر ہمیں ان سے کوئی دلیل نہ ملے تو پھر ہم قیاس کرتے ہیں۔ اور مقیس و مقیس علیہ کے درمیان علت کی یکسانیت کو دیکھتے ہیں۔

ایک اور جگہ پر آپ نے فرمایا:

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم صحابہ کرام کے متفقہ اقوال پر عمل کرتے ہیں اگر وہ اختلاف کریں تو ہم قیاس کرتے ہیں اور دو مسئلوں میں علت کی جامعیت و یکسانیت کو دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل معنی واضح ہوجاتا ہے(٧٠)

امام شعرانی نے آپ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"نحن لا نقیس الا عند الضرورة الشدیده" (٧١)

یعنی ہم شدید اور ناگزیر حالات میں ہی قیاس کرتے ہیں۔

مکی نے ابوبکر بن عیاش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ابوحنیفہ حدیث چھوڑ کر قیاس پر عمل کرتے ہیں:

"هذا بهت منه وافترأ عليه فان كتبه وكتب اصحابه مملوءة من المسائل التى تركوا العمل فيها بالقياس واخذوا بالاثرالواردفيه"(۴۲)
یہ آپ پر بہتان اور الزام ہے کیونکہ آپ اور آپ کے اصحاب کی کتابیں ایسے مسائل سے بھری پڑیں ہیں جن میں انہوں نے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا۔

بہرحال آپ حل مسائل میں جمہور مسلمین کے طرز اور تعامل سے مدد لیتے۔ قیاس اور استحسان میں جو مصلحت عامہ کیلئے زیادہ مفید ہوتا اسے اختیار کرتے لوگوں کے معاملات ومسائل پر گہری نظر رکھنے کے بعد ہمیشہ ان کی سہولت اور فلاح کیلئے متلاشی رہتے اور امکانی حد تک قباحت اور دشواری سے گریزاں رہتے۔

ان تمام اجتہادی اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب

۱۔ سب سے پہلے کسی مسئلہ کے حل کیلئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرے۔
۲۔ اگر قرآن مجید میں وہ حکم نہ ملتا تو سنت رسول ﷺ کو دیکھتے۔
۳۔ اگر سنت سے بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اقوال صحابہ کو دیکھتے اقوال صحابہ میں اگر کوئی قول متفقہ ہوتا تو اسے اختیار کرتے اور مختلف اقوال کی صورت میں اس قول کو اختیار کرتے جو قرآن وسنت کی روح کے زیادہ قریب ہو۔
۴۔ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کا اجماع ہوتا تو اسے اختیار کرتے۔
۵۔ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہوں تو پھر خود بھی قیاس کرتے اور قیاس میں قرآن وحدیث کی فکر کے ساتھ ساتھ قلت تکلیف اور مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھتے۔

یہ وہ اجتہادی اصول ہیں جن کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ کی تشکیل دی ہوئی مجلس مشاورت نے قانون سازی کی۔

مجلس مشاورت

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے حالات زمانہ اور ضرورت عامہ کے پیش نظر اسلامی قانون کی تدوین کی اہمیت کو جانچ لیا تھا لیکن یہ کام بہت وسیع، پرخطر اور حد درجہ حزم واحتیاط والا کام تھا۔ اتنے بڑے کام کو تن تنہا فرد واحد کے انجام دینے کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ اس طرح کئی طرح کی خامیوں اور لغزشوں کا احتمال تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلام کے شورائی

نظام جس کا حکم قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا ہے:
"وامرھم شوری بینھم" (۷۳)
اور اپنے کام آپس میں مشورہ سے کرتے ہیں۔
کے تحت قانون اسلامی کو باقاعدہ مدون کرنے کیلئے ایک دستوری کمیٹی یا مجلس مشاورت قائم کی جن کی رائے اور علم پر آپ کو اعتماد تھا اور باقاعدہ کام کرنے کیلئے کمیٹی کا صدر مقام کوفہ مقرر کیا جو اس وقت مختلف عربی و عجمی تہذیبوں کا سنگم ہونے کے علاوہ علماء اور فقہاء کا مرکز تھا اس سے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ باقاعدہ تشکیل و تدوین فقہ میں آپ کو تمام فقہاء پر اولیت حاصل ہے۔ اس مجلس کی تعداد کتنی تھی اس کے متعلق دو آراء ہیں۔
ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چھتیس ہے۔
دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس ہے۔
مؤخر الذکر رائے پر زیادہ علماء کا اتفاق ہے۔(۷۴) اول الذکر قول علامہ ابن بزاز الکردری (م ۸۲۷ھ) نے نقل کیا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اٹھائیس منصب قضاء کے لائق تھے چھ مفتی اور دو مفتی و قاضی تیار کرنے کی اہلیت کے حامل تھے (۷۵)
بلکہ امام اعظمؒ نے اپنی اس مجلس کے متعلق خود فرمایا:
میں نے اپنی مجلس فقہ کیلئے جن افراد کا انتخاب کیا ہے ان میں سے اٹھائیس افراد اس درجہ کے ہیں جو قاضی کے منصب پر فائزرہ چکے ہیں۔ چھ افراد فتوی دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور ان میں دو اراکان ایسے ہیں جو قاضی اور مفتی تیار کرسکتے ہیں (۷۶)
اس مجلس کے علاوہ ایک مختصر مجلس تھی جو ان چار آدمیوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ زفر بن ھذیل (م ۱۵۸ھ)
۲۔ عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ)
۳۔ فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ)
۴۔ امام محمد بن حسن (م ۱۸۹ھ)

بعض مؤرخین کے نزدیک اس مجلس میں عافیہ بن یزید الازدی (م ۱۸۰ھ) بھی ہوتے۔(۷۷)
علامہ زاہد کوثری اور سید ابو محمد کاوش ندوی کے مطابق تدوین فقہ کے ضمن میں ایک

تیسری مجلس بھی تھی جو دس ارکان پر مشتمل تھی۔ ان میں مذکورہ پانچ حضرات کے علاوہ یہ بھی شرکت فرماتے:

(۱) زفر بن ھذیلؒ (م ۱۵۸ ھ)
(۲) داؤد بن نصیر طائیؒ (م ۱۶۰ ھ)
(۳) نوح بن ابی مریمؒ (م ۱۷۳ ھ)
(۴) یحیی بن زکریا کوفیؒ (م ۱۸۲ ھ)
(۵) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیمؒ (م ۱۸۲ ھ)
(۶) اسد بن عمرو کوفیؒ (م ۱۸۹ ھ)(۷۸)

آپ کی یہ جماعت مختلف علوم وفنون کی ماہر تھی تا کہ ہر کوئی زیر بحث مسئلہ کو مختلف پہلوؤں اور نوعیتوں سے دیکھ سکے۔

اس کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف مسند محمد بن محمود الخوارزمیؒ (م ۶۶۵ ھ) نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں ذوالفقہ والدرایۃ، عالم الحدیث قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، عربی زبان وادب اور فقہ میں مہارت کے حامل محمد بن حسن الشیبانی، علم تفسیر کے ماہر وکیع بن الجراح، اور علم تصوف کا درخشندہ ستارہ عبداللہ بن مبارک، وغیرہ شامل تھے۔(۷۹)

آپ خود اس مجلس کے صدر تھے۔ اس مجلس کے باقی تمام اراکین کے نام پیش کیے جاتے ہیں۔

اسماء اراکین مجلس مشاورت

نمبر شمار	نام	ولادت	وفات	اہلیت
۱۔	زفر بن ہذیل	۱۱۰ ھ	۱۵۸ ھ	محدث، فقیہ، قاضی
۲۔	داؤد بن نصیر طائی	---	۱۶۰ ھ	محدث وفقیہ، زاہد
۳۔	ابو عبداللہ عمرو بن مندیل	۱۰۳ ھ	۱۶۸ ھ	محدث، متقی
۴۔	عمرو بن میمون	---	۱۷۱ ھ	قاضی
۵۔	حبان بن علی	---	۱۷۲ ھ	محدث
۶۔	نوح بن ابی مریم	---	۱۷۳ ھ	جامع علوم کثیرہ

۷-	زہیر بن معاویہ	۱۰۰ھ	۱۷۳ھ	محدث۔ فقیہ
۸-	قاسم بن معن	---	۱۷۵ھ	قاضی۔ ادیب
۹-	حماد بن ابی حنیفہ	---	۱۷۶ھ	محدث۔ فقیہ۔ قاضی
۱۰-	عافیہ بن یزید الازدی	---	۱۸۰ھ	محدث۔ فقیہ۔ قاضی
۱۱-	عبداللہ بن مبارک	۱۱۸ھ	۱۸۱ھ	محدث۔ فقیہ۔ قاضی
۱۲-	نوح بن دراج نخعی	-	۱۸۲ھ	قاضی کوفہ
۱۳-	یحییٰ بن زکریا ابی زائدہ	۱۱۹ھ	۱۸۲ھ	محدث۔ فقیہ
۱۴-	ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم	۱۱۳ھ	۱۸۲ھ	فقیہ۔ قاضی
۱۵-	فضیل بن عیاض	---	۱۸۷ھ	صوفی۔ زاہد
۱۶-	اسد بن عمرو کوفی	---	۱۸۸ھ	کاتب
۱۷-	علی بن مسہر	---	۱۸۹ھ	قاضی
۱۸-	یوسف بن خالد	---	۱۸۹ھ	مفتی
۱۹-	محمد بن حسن شیبانی	۱۳۳ھ	۱۸۹ھ	فقیہ۔ ادیب
۲۰-	حفص بن غیاث	۱۱۷ھ	۱۹۶ھ	محدث
۲۱-	وکیع بن الجراح	۱۲۷ھ	۱۹۷ھ	مفسر۔ عابد
۲۲-	سفیان بن عیینہ	۱۰۷ھ	۱۹۸ھ	محدث۔ فقیہ۔ قاضی
۲۳-	یحییٰ بن سعید قطان	۱۲۰ھ	۱۹۸ھ	محدث
۲۴-	شعیب بن اسحاق	---	۱۹۸ھ	محدث۔ فقیہ
۲۵-	خالد بن سلیمان	۱۱۵ھ	۱۹۹ھ	فقیہہ۔ مفتی
۲۶-	حکم بن عبداللہ	---	۱۹۹ھ	قاضی۔ (راوی فقہ اکبر)
۲۷-	حفص بن عبدالرحمن	---	۱۹۹ھ	محدث۔ فقیہہ
۲۸-	حسن بن زیاد	---	۲۰۴ھ	فقیہہ۔ قاضی
۲۹-	عبدالرزاق بن ہمام	۱۲۶ھ	۲۱۱ھ	محدث
۳۰-	ابو عاصم نبیل ضحاک	۱۳۰ھ	۲۱۲ھ	محدث۔ فقیہہ
۳۱-	بشر بن غیاث	---	۲۲۸ھ	فلسفی۔ متکلم

۳۲-	ابراھیم بلخی	---	۲۴۱ھ	محدث
۳۳-	ابراھیم بن ادھم	---	۲۶۶ھ	عابد

ان ۳۳ حضرات کے ناموں پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مجلس مشاورت کے باقاعدہ رکن تھے۔ محمد میاں صدیقی کی تحقیق کے مطابق مزید سات ارکان کے نام یہ ہیں:

۱-	مالک بن معول	م ۱۵۹ھ
۲-	نصر بن عبدالکریم	م ۱۶۹ھ
۳-	ابو عصمہ	م ۱۷۳ھ
۴-	شریک بن عبداللہ	م ۱۷۸ھ
۵-	عبداللہ بن ادریس	م ۱۹۲ھ
۶-	مکی بن ابراھیم	۱۹۲ھ
۷-	حماد بن دلیل	م ۲۱۵ھ

بعض مؤرخین کے نزدیک یہ علماء بھی اس مجلس کے رکن تھے

۱-	بیاج بن بسطام	م ۱۷۷ھ
۲-	محمد بن نوح	م ۱۸۲ھ
۳-	ھشیم بن بشر سلمی	م ۱۸۳ھ
۴-	فضل بن موسی	م ۱۹۲
۵-	علی بن طیبان	م ۱۹۲ھ
۶-	ھشام بن یوسف	م ۱۹۷ھ
۷-	ابو مطیع بلخی	م ۱۹۹ھ
۸-	عبدالحمید	م ۲۰۳ھ(۸۰)

چونکہ تدوین کا یہ سلسلہ ۳۰ برس جاری رہا ممکن ہے کئی حضرات بعض مصروفیات کی وجہ سے شریک نہ ہوسکتے ہیں تو ان کی جگہ کسی اور کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہو۔ اس امر میں اتفاق ہے کہ آپ کی یہ مجلس مختلف شعبہ جات سے متعلق افراد پر مشتمل تھی۔ جو کسی بھی پیش آنے والے مسئلہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھ کر اس کا حل تلاش کرسکتے تھے۔ ان اراکین کے متعلق علامہ خوارزمی نے مجلس مشاورت کے رکن وکیع بن الجراح کی

رائے نقل کی ہے:

امام ابوحنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابویوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے۔ اور حدیث سے متعلق یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندیل جیسے ماہرین حدیث، قاسم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر، داؤد بن نصیر الطائی اور فضیل بن عیاض جسے زہد وتقوی کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔

"من كان اصحابه هولاء وجلساؤه لم يكن ليخطى لانه ان اخطاء رده الى الحق" (۸۱)

ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات وفضائل رفقاء اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے اور اگر کبھی غلطی کا امکان ہو تو یہ اصحاب ان کو حق کی طرف لے جائیں گے۔

خوارزمیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جن علماء کی مجلس میں استنباط واستخراج مسائل کا یہ عظیم الشان کام انجام پایا ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک تھی لیکن ان میں سے چالیس کو خاص مقام حاصل تھے اور یہ چالیس خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے اور مختلف علم وفن کے ماہرین شمار کیے جاتے تھے۔ (۸۲)

طریقہ تدوین

اس مجلس مشاورت میں فقہ اسلامی کی تدوین کا طریقہ کلیتاً مشاورت پر تھا۔ اس ضمن میں علامہ شبلیؒ (م ۱۹۱۴ء) نے لکھا ہے

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص بات کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوئے تو اس وقت قلم بند کرلیا جاتا ورنہ آزادی سے بحثیں شروع ہوجاتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالاخر جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلے کے بعد لوگ اپنی رایوں پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلم بند کرلئے جاتے اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکاء مجلس جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے (۸۳)

جب تمام علماء کسی مسئلہ پر جمع ہوجاتے تو پھر امام ابو یوسف یا کسی اور سے فرماتے:
"ضعها فی الباب الفلانی" (۸۴)
کہ اسے فلاں باب میں داخل کردو۔
علامہ ابن عابدینؒ (م ۱۲۵۴ھ) تدوین کے طریقہ کار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
جب کوئی مسئلہ آتا تو آپ اپنے تمام اصحاب وفن سے مشورہ، بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیالات کرتے۔ پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس حدیث اور اقوال صحابہ کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں۔ پھر خود اپنا ذخیرہ حدیث سامنے رکھتے اور اس کے بعد ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ فیصلے تک پہنچتے اور امام ابو یوسف اسے قلمبند کرتے:
"حتی اثبت الاصول علی هذا المنهاج شوری لانه تفردبذلک" (۸۵)
اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو۔
مولانا حنیف گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ اسد بن عمرو کوفی اس مجلس مشاورت میں تدوین فقہ کے طریق کار کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ
امام صاحبؒ کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے۔ اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا۔ اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا صیمیری بیان کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے تلامذہ امام صاحبؒ کے ساتھ مسائل میں بحث تمحیص کرتے اگر اس وقت عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تھے تو آپ فرماتے کہ ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کرلیتے تو امام صاحبؒ فرماتے کہ اب اس کو لکھ لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے یہ مراحل طے نہ کرلیتا آپ اس کو لکھنے سے منع فرماتے (۸۶)
عصر حاضر کے نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے:
اس مجلس میں پیش آمدہ صورتوں کے علاوہ امکانی صورتیں بھی مد نظر تھیں۔ اس طرح مسائل کی بہت سی انواع سے متعلق فیصلے مرتب ہوگئے۔ تدوین فقہ میں بہت سے علوم مروجہ سے بھی کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ ریاضی وحساب سے بھی۔ بین الاقوامی قانون بھی دنیا

میں سب سے پہلے انہوں نے ہی مرتب کیا جسے کتاب السیر کہا جاتا ہے(۸۷)
جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے تدوین فقہ سے متعلق آپ کی تین مجالس تھیں پہلی مجلس چار افراد پر۔ دوسری مجلس دس افراد پر اور تیسری مجلس چالیس افراد پر مشتمل تھی۔
امام شعرانیؒ فرماتے ہیں:
"وکان یجمع العلماء فی کل مسئلة لم یجدھاصریحة فی الکتاب والسنة ویعمل بمایتفقون علیه فیھا" (۸۸)
یعنی جو مسئلہ کتاب وسنت میں صراحۃً نہ ملتا صرف اس کیلئے تمام علماء کو جمع کرتے اور جب تک کوئی چیز باہمی اتفاق سے طے نہ ہوجاتی اطمینان نہ ہوتا۔ علامہ مکی نے اس ضمن میں لکھا ہے:
اس مجلس کا طریق کار یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش ہوتا۔ ایمان واخلاص کے پیش نظر اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے متعلق اپنی مکمل صلاحیت کا اظہار کمال احتیاط سے کرتے۔ کبھی ایک مسئلہ پر بہت زیادہ وقت لگ جاتا۔ آخر میں جب ایک دو حضرات کی رائے متفقہ قرار پاتی تو قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کردیتے(۸۹)
علامہ کردری (م ۸۲۷ھ) نے طریق تدوین کے متعلق یہ لکھا ہے:
اس مجلس میں تمام شاگرد دل کھول کر بحث کرتے۔ امام صاحبؒ توجہ سے ہر رکن کی تقریر سنتے۔ آخر میں زیر بحث مسئلہ پر جب آپ تقریر فرماتے تو مجلس میں ایسا سکوت ہوتا جیسے کہ ان کے سوا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ آزادی رائے کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فیصلہ امام صاحبؒ کی رائے کے خلاف ہوتا اور درج ہوتا اور متعدد مسائل پر فتوی امام صاحب کے شاگردوں کے قول پر دیا جاتا۔ اور آج بھی دیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین دن تک مسلسل ایک مسئلہ پر بحث ہوئی۔ تیسرے دن شام کو جب آذان کی آواز بلند ہوئی تو پتہ چلا کہ بحث ختم ہوئی اور فیصلہ ہوگیا(۹۰)
اس مجلس میں بحث کے دوران تمام اراکین کو آزادی رائے کا حق حاصل تھا۔ اور آپ نے کبھی اپنی رائے تسلیم کرنے پر جبر نہیں کیا۔ بحث، تمحیص کے دوران کبھی کوئی بیرونی شخص آجاتا تو وہ اس انداز کو خلاف ادب سمجھتا۔
جرجانی کا قول ہے کہ میں آپ کی مجلس مشاورت میں موجود تھا تو ایک نوجوان جو اس

حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا امام صاحبؒ سے اس نے سوال کیا تھا جس کا آپ نے جواب دیا لیکن اس جوان کو میں نے دیکھا کہ وہ امام ابو حنیفہ کا جواب سننے کے ساتھ ساتھ بے تحاشا امام صاحب کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔

"اخطأت" آپ نے غلطی کی۔

جرجانی کہتے ہیں کہ میں اس کے طرز گفتگو سے بہت حیران ہوا اور شرکاء مجلس سے خطاب کر کے کہا:

بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم لوگ استاد کے احترام کا لحاظ نہیں کرتے۔ میں ابھی بات مکمل نہ کر پایا تو امام صاحب نے خود فرمایا:

"دعهم فانی قد عودتهم ذلک من نفسی" (۹۱)

تم ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ میں نے خود ہی اس طرز کلام کا ان کو عادی بنا دیا ہے۔ کبھی کبھی ایک مسئلہ پر بحث کرتے کرتے مہینے گزر جاتے امام صاحبؒ خاموش رہتے۔ ارکان کی تقاریر، دلائل اور ترجیحات سنتے اور کبھی کبھی دوران بحث سورۃ زمر کی یہ آیت پڑھتے:

"فبشرعبادی الذین یستمعون القول ویتبعون احسنه" (۹۲)

آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات سنتے ہیں اور اچھے قول کی اتباع کرتے ہیں۔

صاحب عقود الجمان نے ابو سلیمان الجوزجانی کا یہ قول تحریر کیا ہے:

"وکان یتکلم اصحابه فی مسألة من المسائل ویکثر کلامهم وترتفع اصواتهم ویاخذون فی کل فن وابوحنیفه ساکت فاذا اخذ ابوحنیفه فی شرح ماکانوا فیه سکتوا کان لیس فی المجلس احد" (۹۳)

آپ کے اصحاب مجلس مشاورت میں پیش آنے والے مسئلہ میں بہت کلام کرتے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بہت اونچی ہو جاتیں۔ ہر فن کے لحاظ سے بحث کرتے۔ ابو حنیفہ خاموشی کے ساتھ ان کی بحث کو سنتے پھر جب اس مسئلہ میں آپ بحث کرتے تو وہ اس انداز سے خاموشی میں بیٹھ جاتے گویا کوئی مجلس میں موجود ہی نہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا تو ایک شخص نے کہا وہ شخص کتنا عظیم ہے جس نے ان تمام حضرات کو خاموش کر دیا ہے۔

جیسے ایک دن اس مجلس مشاورت کا اجلاس ہو رہا تھا۔ زیر بحث مسائل پر اکابر علماء اپنے

خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ اچانک ایک شخص نے سوال کیا:

کچھ لوگ مجلس بنائے بیٹھے تھے اچانک ایک سوراخ سے سانپ نکلا اور حاضرین مجلس میں سے کسی ایک شخص پر چڑھ آیا۔ اس نے دیکھا تو خوف سے سانپ کو دوسرے ساتھی پر جھٹک دیا۔ دوسرے نے تیسرے پر، تیسرے نے چوتھے پر اور چوتھے نے پانچویں پر پھینک دیا۔ بد قسمتی سے پانچویں کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ شخص مر گیا۔ مرحوم کے ورثاء نے دیت کا مطالبہ کیا کہ شرعاً دیت کون ادا کرے گا۔ فقہاء اور آئمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث کی روشنی اور اپنی فقہی صلاحیتوں کے مطابق جوابات دیے۔ کسی نے کہا سب پر دیت آئے گی۔ کسی نے پہلے شخص پر اور کسی نے آخری شخص پر دیت واجب کی۔

امام ابو حنیفہؒ سب کی باتوں کو سن کر مسکراتے رہے۔ آخر میں آپ نے فرمایا جب پہلے شخص نے سانپ کو دوسرے پر جھٹک دیا اور دوسرا آدمی اس کے ڈسنے سے محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو گیا۔ اس طرح دوسرا، تیسرا شخص بری الذمہ قرار پایا۔ البتہ چوتھے کے جھٹکنے کے بعد سانپ نے ڈسنے میں کچھ وقفہ کیا اور وقفہ کے بعد ڈسا تو یہ چوتھا شخص بھی بری الذمہ ہو گا۔ اصل میں مرنے والے نے سانپ سے اپنی حفاظت میں کوتاہی کی اور جلدی سے کام نہ لیا۔

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور آپ کے حسن فقہ کی تعریف کی(۹۴)

امام صاحبؒ کے ایک شاگرد ابو عبداللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں امام ابو حنیفہؒ اپنی جو آراء ظاہر کرتے تھے انہیں بعد میں وہ پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سناتا تھا۔ ابو یوسف (مجلس کے فیصلے ثبت کرتے ہوئے) ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے پڑھتے وقت میں کوشش کرتا تھا کہ ان کے اقوال چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انہیں سناؤں۔ ایک روز میں چوک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا۔ امام نے پوچھا۔ یہ دوسرا قول کس کا ہے؟" (۹۴ الف)

امام صاحبؒ نے اپنے تلامذہ اور اصحاب کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی وزنی اور قابل اعتماد دلیل شرعی مل جائے تو پھر

اسے اختیار کرنا اور اسی کا حکم دوسروں کو دینا۔ اس لئے کہ مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے۔ اپنی بات پر ضد اور اپنی فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے۔
مفتی عزیزالرحمن عثمانی نے اس ضمن میں آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:
"فاعلم ان اباحنیفه من شدة احتیاطه وعلمه بان اختلاف من آثار الرحمة قال لاصحابه ان توجه لکم دلیل فقولوا به" (۹۵)
یعنی غایت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف آثار رحمت سے ہے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی دلیل تم کو مل جائے تو پھر اس پر عمل کرو اور اسی کا حکم دو۔
چنانچہ آپ کے تلامذہ واصحاب نے اس قول کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کے مطابق دلائل و براہین کے پیش نظر اصحاب مذہب (دیگر مقتدر اصحاب امام ابوحنیفہؒ) کی مخالفت بھی کی۔
اس مجلس مشاورت میں بعض علماء کی شرکت لازمی تصور ہوتی جیسے عبدالقادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے عافیہ بن یزید کے حالات میں لکھا ہے۔
اسحاق سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے:
"لاترفعوا المسئلة حتى يحضر عافية فاذاحضرعافية وافقهم قال انبتوها وان لم یوافقهم قال ابوحنیفه لا تثبتوها" (۹۶)
عافیہ کے آنے تک فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کرتے تو فرماتے اس کو دیکھ لو۔ پھر اس کے لکھنے کا حکم دیتے۔ اور اگر وہ موافقت نہ کرتے تو آپ فرماتے اسے نہ لکھو۔
اس مجلس مشاورت کے طریقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی وضاحت طلب مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے دیگر ارکان مجلس آزادانہ طور پر اپنی آرا کا اظہار کرتے اور سب سے آخر میں امام اعظم اپنی رائے کو بیان کرتے جس رائے پر اجماع ہوجاتا اس کو لکھ لیا جاتا۔ بحث کیلئے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا بلکہ گھنٹوں کی بجائے اگر دنوں ہفتوں اور مہینوں تک بحث وتمحیص ضروری سمجھی جاتی تو کی جاتی ۔ اس مجلس میں خالصتاً شورائی طریقہ کار کو

اختیار کیا گیا۔ بقول صاحب فتاوی سراجیہ:
"وقد وضع مذهبه شورى" (۹۷)
آپ کا اس معاملے میں شورائی مسلک ہے۔

مجلس مشاورت کی ترتیب تدوین کا یہ انداز در حقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے طریقہ کی پیروی تھا۔

محمود بن محمد بن عرنوس نے تاریخ القضاء فی الاسلام مطبوعہ قاہرہ (۱۹۳۴ء) کے صفحہ ۱۹ پر میمون بن مہران سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو آپ پہلے قرآن پاک کی طرف رجوع کرتے۔ اگر زیر بحث معاملہ واضح طور پر قرآن مجید میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ بصورت دیگر اگر سنت نبوی سے اس کے متعلق جانتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو پھر آپ دیگر صحابہ سے کہتے کہ فلاں مسئلہ تصفیہ طلب ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اس معاملے میں حضور ﷺ کے فیصلے کو جانتا ہے تو وہ مجھے بتادے۔ اگر کوئی بتا دیتا تو آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو پھر آپ اہل الرائے کو جمع کرتے اور ان کی اکثریت جس کا فیصلہ کرتی آپ اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔"

مزید وضاحت کے لئے امام جلال الدین سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام عمر فاروقؓ بھی اہم ملکی اور فقہی معاملات جنہیں قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ میں نہ پاتے تو آپ صاحب علم فضل اور اہل عقل ودانش صحابہ کی مجلس مشاورت منعقد کرتے۔ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر امکانی حد تک غور کرتے۔ بحث تمحیص کرتے اور پھر حتمی فیصلہ کیاجاتا (۹۸)

تدوینی مدت

اس مجلس مشاورت نے باقاعدہ کب کام کرنا شروع کیا۔ اس بارے میں اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ جب ۱۲۰ھ میں آپ کے شیخ امام حماد (۹۹) کا انتقال ہوا تو آپ کو اسی دارالعلوم میں مسند تدریس پر فائز کیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی

آپ نے اس مجلس مشاورت کو تشکیل دیا اس مجلس کی تمام کمیٹیوں کے آپ ہی سر براہ تھے۔ اور آپ ہی کی سر پرستی میں اس مجلس مشاورت نے تقریباً تیس سال تک کام کیا۔ نیز اس مجلس کے جملہ اخراجات کو بھی آپ خود ہی برداشت کرتے تھے(۱۰۰)

۱۴۶ھ تک آپ اس مجلس مشاورت کی باقاعدہ سر براہی کرتے رہے۔ اسی سال خلیفہ منصور عباسی نے آپ کو جیل بھیج دیا۔ لیکن قید خانہ میں بھی مشاورت کا سلسلہ جاری رہا۔

بعض علماء کے نزدیک ۱۴۴ھ میں امام صاحب کی مجلس مشاورت کا پہلا فقہی مجموعہ تیار ہو گیا تھا۔ جو کہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھے۔ اسی مجموعہ کو دیکھ کر خلیفہ منصور عباسی نے آپ کو عہدہ قضا کی پیش کش کی تھی۔ بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے(۱۰۱)

کتب فقہ ابی حنیفہ

وہ مجلس مشاورت جس نے تیس سال تک تحقیق وتدوین کا کام کیا اس میں متعدد کتب مدون کی گئیں جنہیں کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے موسوم کیا گیا(۱۰۲) اس مجموعہ کتب کی ترتیب حافظ ابوالمحاسن نے یہ بیان کی ہے:

کتاب الطهارة، کتاب الصلواة. کتاب الصوم

عبادات کے بعد، معاملات، اور آخر میں میراث کے ابواب ہیں۔(۱۰۳)

علامہ خوارزمیؒ کے مطابق اس مجموعہ میں ۸۳ ہزار دفعات تھیں۔ آپ کے جیل جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور امام محمد کا تعلق امام اعظم سے یہیں قائم ہوا۔ اور مسائل میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ کل مسائل کی تعداد ۵ لاکھ تک ہو گئی(۱۰۴)

علامہ کردریؒ نے ان مسائل کی تعداد چھ لاکھ اور صاحب قلاعد عقود والعقیان نے بارہ لاکھ نوے ہزار سے زیادہ بتائی ہے۔ ابن حجر مکی(م۹۷۳ھ) نے آپ کی کتب میں سے کتاب الفرائض، کتاب الشروط اور کتاب الرهن کا ذکر کیا ہے(۱۰۵)

مسائل کی ان تعداد پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج ہیں ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔(۱۰۶)

مقام کتب فقہ ابی حنیفہ

اس مجلس مشاورت نے جو مجموعہ کتب تیار کیا تھا وہ اپنی علمی صلاحیت اور فقہی کمال کی وجہ سے آپ کی زندگی میں ہی قبولیت عام حاصل کرچکا تھا۔ مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ جس قدر اس مجموعہ کے اجزاء تیار ہوتے جاتے ساتھ ہی ساتھ تمام ممالک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی۔ جس کی غالباً ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا مدرسہ ایک قانونی مدرسہ تھا جس کے فارغ التحصیل طلباء کثرت کے ساتھ ملکی عہدوں پر فائز تھے اور ان کا آئین حکومت بھی یہی مجموعہ تھا۔ اس مجموعہ کی مقبولیت صرف امام صاحب کے حلقہ میں ہی نہ تھی بلکہ وہ علماء جو آپ کی ہمسری کے دعویدار تھے انہوں نے بھی اس مجموعہ کو اپنے مطالعہ میں رکھا۔

عقود الجمان میں ہے امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ ھ) جنہیں امام اعظم کی ہمسری کا دعوی تھا ان کے متعلق یحییٰ بن ابی زائدہ (م ۱۸۲ ھ) کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز سلیمان ثوری کے سرہانے ایک کتاب دیکھی تو وہ امام ابوحنیفہ کی "کتاب الرھن" تھی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو انہوں نے کہا:

"وددت انهاكلهاعندى مجتمعة انظرفيها مابقى فى شرح العلم غاية ولكنا لا ننصفه" (۱۰۷)

کاش میرے پاس ان کی تمام کتابیں ہوتیں جنہیں میں دیکھا کرتا تو علم کی شرح میں کوئی بات نہ رہ جاتی لیکن ہم اس سے انصاف نہیں کرتے۔

عقود الجمان میں اسی طرح کی ایک اور روایت ہے کہ:

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں شام میں امام عبدالرحمن بن عمرو اوزراعی (م ۱۵۷ ھ) کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کوفہ میں ابوحنیفہ نامی کون بدعتی ہے۔ میں یہ سن کر گھر واپس آیا اور کتب فقہ ابوحنیفہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے تین دن تک ان کتابوں کو دیکھا۔ کتابوں کو دیکھ کر آپ نے مجھ سے کہا۔ یہ نعمان بن ثابت کون ہے۔ میں کہا "شیخ الفقہ العراق، فقہ عراق کا شیخ۔ آپ نے سن کر کہا یہ تو مشائخ میں سے ہے۔

"فاذهب فاسكتثرمنه قلت هذا ابوحنيفه الذى نهيت عنه" (۱۰۸)

اس کے پاس جاؤ اور کثرت سے علم حاصل کرو۔ پھر میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہؒ ہیں جن

کے پاس جانے سے آپ نے روکھا تھا۔
امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) نے اس مجموعہ کے متعلق فرمایا:
"من لم ينظر فی كتب ابی حنيفه لم يتبحر فی العلم والفقه"(۱۰۹)
جو شخص کتب فقہ ابی حنیفہؒ کو نہیں دیکھتا وہ علم اور فقہ میں مہارت حاصل نہیں کرسکتا۔
ابو مسلمؒ سے روایت ہے کہ اس نے ابوخالد سے امام ابوحنیفہ کی کتب کے متعلق پوچھا تو انہوں کہا:
"انظروافيها ان كنتم تريدون ان تفقهوا"(۱۱۰)
اگر علم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہوں تو ان کی کتابوں کو دیکھو۔
ابوعبداللہ الصیمری کا قول ہے:
"من اراد ان يخرج من ذل العمى والجهل ويجد حلاوة الفقه فلينظر فی كتب ابی حنيفه"(۱۱۱)
جو کوئی جہالت کی ذلت سے نکلنا چاہتا ہے اور فقہ کی مٹھاس پانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ کتب ابوحنیفہ کا مطالعہ کرے۔
اس مجموعہ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے موفق مکی نے لکھا ہے:
"بلغت مسائله خمسمائة الف مسئلة مع ما اودع فی كتبه من المسائل الغامضه الصعاب المبينات على خفيات النحو واسرار العربيه ودقائق الحساب"(۱۱۲)

ان فیصلوں کو امام صاحبؒ کی زندگی میں ہی مختلف عنوانات کے تحت مرتب کردیا گیا تھا اور ان بحثوں میں پانچ لاکھ مسائل تھے۔ ان مسائل میں پیش آمدہ مسائل کے علاوہ امکانی صورتیں بھی مد نظر تھیں۔ اس طرح مسائل کی نسبت سے کئی انواع کے متعلق فیصلے مرتب ہوگئے۔ تدوین فقہ میں بہت سے علوم مروجہ سے بھی کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ نحو، عربی زبان اور ریاضی سے بھی مدد لی گئی۔

اس مجموعہ میں سب سے پہلے بین الاقوامی قانون سے متعلق بھی مسائل مرتب کیے گئے جس کو "کتاب السیر" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس مجموعہ کے متعلق خود امام اعظم نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے ایک ہزار تلامذہ جن میں وہ چالیس اکابرین بھی موجود تھے کو

مخاطب ہو کر فرمایا:

"میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو تمہارے وجود میں میرے غم واندوہ کا مداوہ ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زین تمہارے لئے تیار کردی ہے۔ اب جس وقت اور جب تمہارا دل چاہے تم اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایسی صورت حال پیدا کردی ہے کہ لوگ تمہارے نقش پا کو تلاش کریں گے اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو تم میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت وتادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ تعالی کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے تم اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرنا۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو عہدہ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کا اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔۔۔(۱۱۳)

بہرحال آپ کا وہ مجموعہ جس میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، تعزیرات، لگان، مالگزاری، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت سے متعلق اور بہت سے قوانین شامل تھے کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ان کتب کی عوامی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ مامون الرشید کے دور میں وزیر اعظم فضل بن سہل کو آپ کے ایک مخالف فقیہ نے مشورہ دیا کہ حنفی فقہ کا استعمال بند کرنے کے احکام جاری کردیئے جائیں۔ وزیر اعظم نے باخبر اور معاملہ فہم لوگوں کو بلا کر اس معاملے میں رائے لی۔ انہوں نے بالاتفاق کہا" یہ بات نہیں چلے گی اور سارا ملک آپ لوگوں پر ٹوٹ پڑے گا۔ جس شخص نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ ناقص العقل ہے" وزیر اعظم نے کہا میں خود بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوں اور امیر المؤمنین بھی اس پر راضی نہ ہوں گے۔

بہرحال اس کے نسخے مختلف حکومتوں اور عدالتوں نے حاصل کیے۔ اسلامی حکومتوں نے سرکاری طور پر ان نسخوں کو اپنی عدالتوں کے قضاۃ کے ہاں رکھوالیا۔ علماء، قضاۃ اور والیان ریاست اس سے مستفید ہوئے۔

کردری نے اس ضمن میں یحیی بن آزم کا یہ قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"قضی به الخلفاء والائمه والحکام واستقرعلیه الامر" (۱۱۴)

خلفاء، حکام اور آئمہ امام ابوحنیفہؒ کے مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔

اس طرح بالاخر عرب کے سوا باقی تمام اسلامی ممالک میں اسی مجموعہ پر عمل ہونے لگا۔ جن کی وسعت سندھ سے لے کر ایشیائے کوچک تک تھی۔

مقصد تدوین

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم سے قبل سعید بن المسیبؒ (م ۹۰ ھ) اور ابراھیم نخعیؒ (م ۹۵ ھ) اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کو مرتب کردیا تھا اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس قواعد مرتب تھے (۱۱۵)

لیکن یہ قواعد کسی خاص ترتیب سے مدون نہ تھے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے۔

امام اعظمؒ کا سب سے بڑا مقصد تدوین یہ تھا کہ مسلمانوں کی بالخصوص اور تمام انسانوں کی بالعموم عملی زندگی میں رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کراجائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کردی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کماحقہ عمل کرسکیں۔

اسلامی شریعت کسی خاص دور یا خاص قوم اور خاص علاقہ کیلئے نہیں ہے۔ اسے قیامت تک عالمگیر سطح تک رہنا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کی تدوین کی جائے۔

آپ کو اللہ تعالی نے اس مقصد میں کامیاب کیا اور اس مجموعے نے آپ کی زندگی میں ہی قبولیت عامہ حاصل کرلی اور جیسے جیسے فتاوی تیار ہوتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ممالک میں پھیلتے جاتے (۱۱۶)

مجموعہ کی معدومی

وہ مجموعہ "کتب فقہ ابی حنیفہ" جس کو اتنی طویل مدت میں اتنی محنت وکاوش کے بعد مدون کیا گیا بقول شبلی اپنے تدوینی وقت سے لے کر صرف ۴۰۰ سال کے بعد دنیا سے ناپید ہوگیا اور آج اس کا کسی بھی اصل شکل میں دنیا کے کسی کتب خانے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔

اس بات کا ذکر امام فخرالدین رازیؒ (م ٦٠٦ ھ) نے مناقب الشافعی میں کیا ہے۔
جس کی بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ ھ) اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (م ۱۸۹ ھ) نے کئی ایسی کتب تصنیف کیں جن میں ہر مسئلہ پر استدلال و براھین کے ایسے حواشی کا اضافہ کیا کہ لوگ اصل مجموعہ سے بے نیاز ہوگئے اور ان کی کتب کو رواج عام حاصل ہو گیا۔
شبلی مزید لکھتے ہیں:
کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس طرح دیگر بڑے بڑے مصنفین کی کتب بھی ناپید ہو گئیں جیسے امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ ھ) عبد الملک بن عبدالعزیز المعروف با بن جریجؒ (م ۱۵۰) سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵٦ ھ) اور حماد بن ابی معمر کی تصنیفات اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابو حنیفہؒ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا (۱۱۷)

اسی طرح متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فرأ، کسائی، خلیل، اخفش اور ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔
امام صاحبؒ کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں۔ یہ کتب در حقیقت امام اعظم، اما زفر، قاضی ابو یوسف اور امام محمدؒ کی آراء کا مجموعہ ہے۔ صاحبین نے بہت سے مسائل میں امام صاحب کی رائے سے اختلاف کیا ہے جن کا ذکر فقہ کی کتب میں اکثر ملتا ہے۔ یہ اس لئے تھا کہ ان صاحبین کو یہ یقین تھا کہ ہم جو آراء آپ کے خلاف پیش کریں گے وہ بھی در حقیقت آپ ہی کے اقوال ہیں۔ کیونکہ بعض مسائل میں آپ نے مختلف آراء کا اظہار کیا تھا۔
امام محمدؒ کی ان کتب کو کتب ظاہر الروایۃ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کتب ظاہر الروایۃ میں آپ کی مندرجہ ذیل چھ کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

۱۔ مبسوط: اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسفؒ کی ہے لیکن آپ نے اس میں تقریباً ۱۰ ہزار سے زیادہ مسائل کو مزید وضاحت سے لکھا ہے۔ چھ جلدوں پر مشتمل یہ امام محمدؒ کی پہلی تصنیف ہے اور کتاب الاصل کے نام سے معروف ہے اس کی روایت آپ کے شاگرد

احمد بن حفص نے کی ہے۔

۲-جامع صغیر: مبسوط کے بعد تصنیف کی گئی اس کتاب میں امام محمدؒ نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام اعظمؒ کے تمام اقوال نقل کیے ہیں۔اس میں ۱۵۳۲ مسائل کا ذکر ہے جن میں سے ۱۷۰ مسائل سے متعلق خلاف رائے بھی لکھا ہے۔ اس کی روایت آپ کے دوشاگردوں عیسی بن ابان اور محمد بن سماعہ نے کی۔ اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(i)۔ وہ مسائل جن کا ذکر اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(ii)۔ وہ مسائل جن کا ذکر اور کتابوں میں بھی ہے لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے یہ صراحت نہیں کی تھی کہ یہ مسائل امام اعظم کے ہیں۔ جب کہ اس کتاب میں تشریح کردی گئی ہے۔

(iii)۔ وہ مسائل جن کا ذکر اور کتابوں میں بھی تھا لیکن اس کتاب میں جس انداز اور جن الفاظ سے لکھا ہے ان سے مزید کئی فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

۳-جامع کبیر: جامع صغیر کے بعد لکھی گئی اس میں شیخین (امام اعظم وقاضی ابو یوسف) کے علاوہ وہ امام زفر کے اقوال بھی لکھے گئے۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلائل دیے گئے۔

۴-زیادات: جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروعی مسائل یاد آئے وہ اس میں تحریر کیے۔اس مناسبت سے اس کا نام زیادات رکھا گیا۔

۵-سیر صغیر: بین الاقوامی قانون کے متعلق باقاعدہ پہلی یہ کتاب آپ نے تصنیف کی۔اس کے علاوہ حکومت، سیاست اور جہاد سے متعلق بھی اس میں مسائل کا ذکر ہے۔

نوٹ: بقول مولانا مودودی موجودہ زمانے کے لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ بین الاقوامی قانون ایک جدید چیز ہے۔ اور پہلا شخص جس نے اس قانون کی بنا ڈالی ہالینڈ کا گرویٹس(Grotius 1583-1645) ہے۔ لیکن جس شخص نے بھی امام محمد کی کتاب السیر دیکھی وہ جانتا ہے کہ گرویٹس سے نوسو برس پہلے یہ علم امام ابوحنیفہ کے ہاتھوں مدون ہوچکا تھا۔ اور اس میں بین الاقوامی قانون کے اکثر گوشوں پر اور اس کے بڑے بڑے نازک مسائل پر بحث کی گئی تھی۔ حال ہی میں اس حقیقت کو اہل علم کے ایک گروہ نے تسلیم بھی

کیا ہے۔ اور جرمنی میں شیبانی سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء قائم کی گئی ہے۔(خلافت وملوکیت حاشیہ نمبر ۱۴ص: ۲۴۱-۲۴۲)

۶۔ **سیر کبیر:** سیر صغیر کا ایک نسخہ امام اوذاعی کی نظر سے گزرا تو انہوں نے طعن سے یہ کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت۔ امام محمد نے جب یہ الفاظ سنے تو سیر کبیر لکھنا شروع کردی۔ یہ کتاب ساٹھ اجزاء میں تیار ہوئی۔ ان کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی تصنیف میں کتب فقہ ابی حنیفہ سے مدد لی گئی۔

(۱) کتاب الحج: امام اعظم کی وفات کے بعد آپ تین برس مدینہ منورہ میں رہے اور وہاں امام مالک (م ۱۷۹ھ) سے موطا کی سند حاصل کی جن مسائل سے حجازی مکتبہ فکر عراقی مکتبہ فکر سے اختلاف کرتے تھے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا۔ پھر عراقی مسلک کو حدیث وآثار سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۲) موطا امام محمد: اس کتاب میں ۱۱۸۰ روایات ہیں، ان روایات میں اگرچہ ۱۰۰۵ روایات امام مالک کی امام ابوحنیفہ کی ۱۳، امام ابویوسف کی ۴ اور دیگر شیوخ کی ۱۵۸ روایات ہیں لیکن اس کتاب میں مذکورہ ہر مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کا التزام کرتے ہیں اور جہاں ضرورت ہو امام اعظم کے قول کے بعد یہ تشریح کردیتے ہیں:

"والعامۃ من فقہائنا"

یعنی ہمارے عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ یہاں فقہاء سے مراد عراقی مکتبہ فکر کے فقہاء ہوتے ہیں(۱۱۸)

ان کے علاوہ آپ کی بعض کتب "کتب نوادر" کہلاتی ہیں۔ جن کی صحیح تعداد کا احصاء مشکل ہے۔ ان میں سے سولہ کتب کے نام اسماعیل پاشا بغدادی نے بیان کئے ہیں(۱۱۹)

امام محمدؒ کے علاوہ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج حسن بن زیاد کی ادب القاضی زیادہ معروف ہیں۔علامہ ابوالفضل محمد بن احمد حاکم المروزی (م ۳۳۴ھ)جو حاکم شہید کے لقب سے معروف ہوئے نے امام محمد کی اہم تصنیفات سے کتاب الکافی کے نام سے ایک تلخیص تیار کی جس کی شرح شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ (م ۴۸۳ھ) نے کی(۱۲۰)

اس طرح امام اعظمؒ کی مجلس مشاورت کا وہ تدوینی کارنامہ جس کا اصل نسخہ تو دنیا سے ناپید ہو گیا لیکن اس میں مذکور مسائل کئی واسطوں کے ذریعوں میں آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور تمام فقہی کتب انہی مسائل کی بنیاد پر تصنیف کی گئیں اس طرح اس وقت سے لے کر قیامت تک لوگ اس مجموعہ سے بلواسطہ راہنمائی حاصل کرتے رہے اور کرتے ہیں گے۔

امام اعظمؒ نے تدوین فقہ سے متعلق وہ طرح ڈالی جس کو دیکھ کر سب سے پہلے عباسی خلیفہ منصور نے حجازی مکتب فکر کے بانی امام مالک بن انس سے فرمائش کی:

"ضع كتاباً للناس احملهم عليه"

آپ لوگوں کیلئے ایک ایسی کتاب لکھ دیجیے جس پر عمل کیلئے میں ان کو آمادہ کروں۔ لیکن اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جواز اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے تشدد واحتیاط کو نہ بھرو اور لوگوں کے لئے تصنیف وتالیف کا ایک نمونہ قائم کرو۔

چونکہ اس وقت "کتب فقہ ابی حنیفہ" عام ہو چکی تھیں اور امام مالک بھی ان کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لہذا آپ نے بھی موطا کی تصنیف شروع کی(۱۲۱)

اگرچہ مؤطا کی تالیف جلد مکمل ہو گئی لیکن وہ نا اتنی جامع تھی اور نہ تدوین کے لحاظ سے اس قدر واضح کہ ایک حکومت کی ضروریات کو پوری کر سکے۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے اس ضمن میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کے ابواب پر ترتیب کی پھر حضرت امام مالک بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس معاملے میں ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں(۱۲۲)

آپ کا تدوینی طریقہ وہ عظیم طریقہ تھا جس کی اہمیت کے پیش نظر مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے ۱۰۷۴ھ میں علماء دہلی کے علاوہ سلطنت کے اطراف واکناف سے ایسے علماء جمع کیے جن کی تعداد چالیس سے پچاس تک بتائی جاتی ہے۔ جنھوں نے آٹھ سال کی مدت میں فتاوی عالمگیری کے نام سے فتاوی کا ایک ضخیم مجموعہ مدون کیا(۱۲۳)

اس کے بعد اسی طرح کی ایک اور کوشش سلاطین عثمانیہ نے ۱۲۸۶ ھ میں کی۔ اس وقت کے ناظم محکمہ عدلیہ احمد جودت پاشا کی قیادت میں ایک مجلس نے "مجلہ الاحکام العدلیہ" کے نام سے ایک متفقہ قانون کی تدوین کا خاکہ پیش کیا یہ مجلہ ۱۲۹۳ ھ میں مکمل ہوا(۱۲۴)

امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ تدوینی کارنامہ ملت اسلامیہ پر وہ عظیم احسان ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اسی احسان کی وجہ سے فقہ حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید وقت کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ نیز اسی وجہ سے ہر زمانہ میں امت کا اکثر حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا اور آپ ہی کی وجہ سے تمام قانونی اور فقہی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ آج تک اس راہ پر جو چلا یا جو آئندہ چلے گا وہ آپ ہی کا مرہون منت ہوگا۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طنیت را

حواشی ومصادر

۱۔ آپ کی یہ کنیت حقیقی کنیت نہیں ہے کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کسی کا نام حنیفہ نہیں تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ حنیف اس شخص کو کہاجاتا ہے جو باطل کو چھوڑ کر حق پر استقامت اختیار کرے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالی نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

فاتبعواملة ابراهيم حنيفاً(آل عمران: ۹۵)

مسلمانوں ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔

آپ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔

۲۔ ابوبکراحمد بن علی الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مطبعۃالسعادۃ، مصر، ۱۹۳۱ء ج:۱۳ص:۳۲۶۔

۳۔ شہاب الدین احمد بن حجر مکی، الخیرات الحسان، ترجمہ ظفرالدین رضوی، المکتبہ الحقیقہ۔ استنبول، ترکی، ۱۹۸۶ء ص:۵۸۔

۴۔ محمد بن یوسف الصالحی، عقود الجمان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ النعمان، مطبعہ معارف الشرقیہ، حیدر آباد، بھارت، ۱۹۷۳ء ص:۶۳، ۱۸۳

۵۔ ایضاً: ۹۱

۶۔ موفق بن احمد وحافظ کردری، مناقب ابی حنیفہ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۱ء ج: ۱ ص:۴۳۳

۷۔ شاخت ابوحنیفہ "دائرہ المعارف الاسلامیہ، دارالمعرفت، بیروت: ۱۹۳۳ء، ج: ۱ ص: ۳۳۱

۸۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، تحقیق دکتور احسان عباس، دارالثقافۃ، بیروت ،۱۹۶۹ء ج:۲ ص:۲۰۵

۹۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، قومی پریس دہلی ۱۹۰۴ء ص:۱۱۸-۱۲۳

۱۰۔ رئیس احمد جعفری، سیرت آئمہ اربعہ، کتاب منزل لاہور ۱۹۵۵ء، ص:۱۷۰ شبلی، سیرۃ النعمان، ص:۱۲۳

۱۱- ایضاً
۱۲- علامہ مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۳ء ص:۲۷۹
۱۳- محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص:۱۸۴
۱۴- شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص:۱۳۵
۱۵- مکی، مناقب ابی حنیفہ ج:۱ ص:۸۰
۱۶- ایضاً ص:۷۳-۷۴
۱۷- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج:۱۳ ص:۳۶۸
۱۸- مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج:۱ ص:۷۳-۷۴
۱۹- محمد میاں صدیقی، آئمہ اربعہ کے اصول اجتہاد "مقالہ" پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور (۱۳۱، ۲۹۷م ۵۴ الف)، ص:۲۷۷
۲۰- مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج:۱ ص:۱۴۳
۲۱- عبدالوہاب شعرانی، کتاب المیزان، (مقام وناشر نامعلوم) ص:۶۳-۶۴
۲۲- ایضاً، ص:۶۴
۲۳- ایضاً
۲۴- سورۃ النور:۲
۲۵- دار قطنی، سنن دار قطنی، (کتاب الصلواۃ، باب احادیث القہقہ) عبداللہ ہاشم یمانی، مدینہ منورہ، ۱۹۶۶ء ج:۱ ص:۱۶۲
۲۶- شبلی، سیرۃ النعمان، ص:۱۰۷
۲۷- امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، (ابواب ماجاء فی الصیام، باب ماجاء فیمن افطر ناسیاً، نور محمد، کراچی، ۱۳۸۱ھ، ص:۱۲۰
۲۸- شبلی، سیرۃ النعمان، ص:۱۰۸
۲۹- محمد بن یوسف، عقود الجمان، (باب آٹھ) ص:۱۷۲-۱۷۸-
۳۰- محمد بن عبدالکریم شہرستانی، کتاب الملل والنحل، مطبع حیدری بمبئی ۱۳۱۴ھ، ج:۱ ص:۹۹-

۳۱۔ شبلی، سیرۃ النعمان ص:۱۰۷

۳۲۔ ملاجیون، نورالانوار، سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۸۷ء ص:۱۷۸

۳۳۔ عبادلہ سے مراد عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم ہیں (ملاجیون، نورالانوار۔ ۱۷۸)

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، نور محمد، کراچی، (ت۔ن) ج:۲ ص:۳۸۲

۳۶۔ ابوجعفر محمد طحاوی، شرح معانی الاثار، (کتاب البیوع، باب بیع المصراۃ) سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۷۰ء، ج:۲ ص:۲۲۶

۳۷۔ احناف کے نزدیک اگر مصراۃ جانور خریدلیا تو اس عیب کی بنا پر اس جانور کو واپس کرنا بہرحال ضروری نہیں البتہ اس عیب کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو کمی ہوئی ہے اس کا (مشتری) مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس بارے میں حدیث مصراۃ بذات خود صحیح ہے لیکن اس حدیث سے ایک اور دلیل ٹکراتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قیاس جو قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے اس سے واضح ہے کہ زیادتی کرنے کا تاوان اس طرح کی زیادتی یا جبر نقصان کی صورت میں ادا کیا جائے۔ مصراۃ کی صورت میں فروخت کنندہ دودھ کو تھن میں روک کر خریدار کو دھوکہ دینے کی زیادتی کرتا ہے۔ اس کا تاوان جبر نقصان کی صورت میں ادا ہونا چاہیے۔ خریدار نے دودھ نکال کر بائع پر کوئی زیادتی نہیں کی اگر زیادتی ہو بھی تو صرف دودھ کی قیمت یا اتنا دودھ دینا ہی لازم آئے گا۔ کھجور نہ قیمت ہے نہ دودھ (عبدالرحمن الجزیری، کتاب الفقہ، ترجمہ، منظور احمد عباسی، محکمہ اوقاف، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج:۲ ص:۴۰۶)

۳۸۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ج:۲ ص:۴۰۴-۴۰۶

۳۹۔ طحاوی، شرح معانی الاثار، ج:۲ ص:۲۲۶

۴۰۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس) مطبع علیمی، دہلی، ۱۳۴۸ھ ج:۲ ص:۶

۴۱۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ج:۲ ص:۴۰۶

۴۲۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، (ابواب الطھارۃ وسننھا۔ باب الوضوء مما غیرت النار)، ص:۳۷۔

۴۳- ایضا
۴۴- شبلی، سیرۃ النعمان، ص:۱۰۹
۴۵- امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد (کتاب الطھارۃ، باب فی ترک الوضو ممامست النار) ولی محمد، کراچی، ۱۳۶۹ھ، ج:۱ ص:۲۵
۴۶- امام بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ المیت یعذب) نور محمد، کراچی، ۱۳۵۷ھ ج:۱ ص:۱۷۱
۴۷- انعام:۱۶۴، بنی اسرائیل:۱۵، فاطر:۱۸، زمر:۷
۴۸- امام احمد بن حنبل، مسند، دار صادر، بیروت، (ت-ن)، ج:۲ ص:۴۵۴
۴۹- ملاجیون، نور الانوار، ص:۱۷۸
۵۰- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۲ ص:۳۱۶-۳۲۸
۵۱- حدیث بریرہ کو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔

"قالت کان زوجھا عبداً فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاختارت نفسھا ولوکان حراً لم یخیرھا"

امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد (کتاب الطلاق، باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حر او عبدا)، ج:۱ ص:۳۰۴۔

بریرہ لونڈی کا خاوند مغیث نامی تھا وہ اس کے پاس نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس نے حضور ﷺ سے سفارش کی کہ آپ بریرہ سے کہیں کہ وہ مجھے نہ چھوڑے کیونکہ وہ آزاد ہو گئی تھی۔ آپ نے جب بریرہ سے پوچھا تو اس نے مغیث کے ساتھ نہ رہنا چاہا۔ آپ نے سفارش کی لیکن پھر بھی اسے اختیار دیا گیا۔ اختیار کے بعد اس نے مغیث سے علیحدگی اختیار کرلی۔

۵۲- بغدادی، تاریخ بغداد، ج:۳، ص:۳۴۰، محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص:۱۹۹۔

(۵۳) محمد بن زاہد بن الحسن الکوثری، تانیث الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء، ص:۲۲۳-۲۲۵۔
محمد حنیف گنگوہی، غایۃ السعادہ فی حل ما فی الہدایہ، المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور، ۱۴۰۰ھ

،ج: ۱ ص:۳۷-۷۵۔
۵۴۔ شعرانی، کتاب المیزان، ص:۶۳۔
۵۵۔ ایضاً
۵۶۔ شاہ ولی اللہ، عقد الجید، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۴۴ھ، ص:۵۳-۵۴
۵۷۔ ابوحامد غزالی، المستصفی، مطبعہ الامیریہ، بولاق،
مصر، ۱۳۲۴ھ، ج:۱ ص:۱۷۳
۵۸۔ سیف الاسلام بزدوی، کتاب الاصول، ج:۱، ص:۲۴۱
۵۹۔ محمد بن علی شوکانی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مصطفی البابی،
مصر، ۱۳۵۶ھ، ص:۸۲
۶۰۔ مدکور محمد سلام، مناہج الاجتہاد، دار النہضۃ العربیہ، مصر، ۱۹۶۰ء، ص:۱۶۱
۶۱۔ موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج:۱، ص:۸۰
۶۲۔ ایضاً، ص:۷۵
۶۳۔ عبدالوہاب خلاف، مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ، دار القلم، کویت،
۱۹۷۲ء، ص:۱۹
۶۴۔ احمد، مسند امام احمد، ج:۵، ص:۲۳۶-۲۴۳
۶۵۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ج:۱۳، ص:۳۶۸-موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ،
ج:۱، ص:۸۰
۶۶۔ مدکور محمد سلام، منہاج الاجتہاد، ص:۱۶۲
۶۷۔ ابوزہرہ مصری، حیات ابوحنیفہ، ترجمہ غلام احمد حریری، ملک سنز، فیصل
آباد، ص:۵۰۹
۶۸۔ ایضاً
۶۹۔ شعرانی، کتاب المیزان، ص:۶۳
۷۰۔ ایضاً
۷۱۔ ایضاً
۷۲۔ مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج:۱، ص:۸۳

۷۳- شوریٰ:۳۸

۷۴- ظہور احمد اظہر، "فقہ" دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۵ء، ج:۱۵، ص:۴۰۷

۷۵- کردری، مناقب ابی حنیفہ، ج:۲، ص:۲۴۲

۷۶- محمد میاں صدیقی، آئمہ اربعہ کے اصول اجتہاد، ص:۴۴۰

۷۷- دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱۵، ص۴۰۷

۷۸- محمد بن زاہد الکوثری، حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابویوسف القاضی، سعید سنز، کراچی، (ت-ن)، ص:۱۲

سید ابو محمد کاوش، سیر الاحناف مدینہ بک ایجنسی (مقام نشر نامعلوم)، ۱۹۳۱، ص:۳۷

۷۹- محمد بن محمود الخوارزمی، جامع المسانید (مجموعہ الاحادیث لالامام اعظم) المکتبہ الاسلامیہ، سمندری، (ت-ن)، ص:۳۱-۳۲

۸۰- محمد میاں صدیقی، آئمہ اربعہ کے اصول اجتہاد، ص:۴۴۰- ابو محمد کاش، سیر الاحناف، ص:۴۷-۵۰

۸۱- خوارزمی، جامع المسانید، ص:۳۲ دکتور ابی الیقظان عطیہ الجبوری، اللامام زفر و آراؤہ الفقیہہ، دارالندوہ، بیروت، ۱۹۸۶ء، ص:۸۲

۸۲- ایضاً، ۳۲

۸۳- شبلی، سیرۃ النعمان، ص:۱۲۵

۸۴- ابن عابدین، ردالمختار، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۴۱۲ھ، ج:۱ ص:۵۰

۸۵- ایضاً

۸۶- محمد حنیف گنگوہی، مقدمہ، غایۃ المسعادۃ، ج:۱ ص:۱۹

۸۷- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، "تدوین قانون اسلامی اور امام ابوحنیفہ" چراغ راہ، کراچی، اسلامی قانون نمبر، ج:۱، س:۲۸۲

۸۸- شعرانی، کتاب المیزان، ص:۵۹

۸۹- مکی، مناقب ابی حنیفہ ج:۲، ص:۱۳۹

۹۰- کردری، مکی، مناقب ابی حنیفہ ج:۲، ص:۵۴

۹۱- معجم المصنفین ج:۲، ص:۱۷۴، عبدالقیوم حقانی، دفاع امام ابوحنیفہ، ادارۃ العلم والتحقیق، اکوڑہ خٹک، ۱۹۹۵ء، ص:۱۲۶-

۹۲- سورۃ زمر:۱۸

۹۳- محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص:۲۰۵

۹۴- ایضاً، ص:۲۶۹

۹۴الف- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن ،لاہور،۱۹۸۷ء، ص:۲۴۰-۲۴۱

۹۵- مفتی عزیزالرحمن، مقدمہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مرتبہ، محمد ظفیرالدین، مکتبہ امدادیہ، ملتان، (ت-ن)، ج:۱، ص:۶۰، ابن عابدین، ردالمحتار، ج:۱، ص:۵۱-

۹۶- عبدالقادر قرشی، الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ، دائرہ معارف نظامیہ، حیدر آباد، دکن (ت،ن)، ج:۱، ص:۲۶۷، محمد بن زاہد الکوثری، حسن التقاضی، ص:۱۲

۹۷- شعرانی، کتاب المیزان، ص:۵۶

۹۸- شبلی نعمانی، الفاروق، مطبعہ، معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء، ص:۴۸۵

۹۹- امام حماد بن مسلم کوفہ کے بلند پایہ استاد تھے۔ آپ نے حدیث کی سند رسول اکرم ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ سے لی۔ کوفہ میں آپ کا عظیم مدرسہ تھا جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فقہی سلسلہ رائج تھا۔ آپ نے ۱۲۰ھ میں انتقال فرمایا (عبدالقادر قرشی، الجواہر المضیئہ، ج:۱، ص:۲۲۶)

۱۰۰- کردری، مناقب ابی حنیفہ، ج:۲، ص:۵۶

۱۰۱- دوست محمد شاکر، مقدمہ، مسند امام اعظم، فرید بک سٹال، لاہور، (ت-ن)، ص:۲۷-۲۸

۱۰۲- عبدالقیوم حقانی، امام ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، مؤتمر المصنفین ، اکوڑہ خٹک، پشاور، ۱۹۹۲ء، ص:۱۸۴

۱۰۳- محمد بن یوسف ابوالمحاسن شافعی، عقود الجمان، ص:۱۹۰

۱۰۴- خوارزمی، جامع المسانید للامام اعظم، ص:۳۵

۱۰۵- ابن حجر مکی، الخیرات الحسان، (اردو)ص: ۶۹-۷۲
۱۰۶- شبلی، سیرۃ النعمان، ص: ۱۲۷
۱۰۷- محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص: ۱۹۱-ابن حجر مکی، الخیرات الحسان، (اردو)ص: ۷۲
۱۰۸- ایضاً، ص: ۱۹۲
۱۰۹- ایضاً، ص: ۱۸۷
۱۱۰- ایضاً، ص: ۱۹۴
۱۱۱- ایضاً، ص: ۱۹۵
۱۱۲- موفق مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج: ۱، ص: ۶۱-۶۲
۱۱۳- معجم المصنفین ج: ۲، ص: ۵۵، دوست محمد شاکر، مقدمہ، مسند امام اعظم، ص: ۲۸
۱۱۴- کردری و مکی، مناقب ابی حنیفہ، ج: ۲، ص: ۷۴، ۱۰۶-۱۰۷، ۱۵۷-۱۵۸،
۱۱۵- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، ج: ۱، ص: ۳۲۷
۱۱۶- شاخت، ابوحنیفہ، دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۱، ص: ۸۴۷
۱۱۷- شبلی، سیرۃ النعمان، ص: ۱۳۷
۱۱۸- عبدالرشید نعمانی، مقدمہ، مؤطا امام محمد، سعید سنز، کراچی، (ت-ن)، ص: ۱۱
۱۱۹- اسماعیل پاشا، بغدادی، اسماء المؤلفین و آثار المصنفین ذیل کشف الظنون، مکتبہ اسلامیہ، الطہران، ۱۹۵۱ء، ج: ۲، ص: ۸
۱۲۰- پروفیسر شاخت و ادارہ، "الحنفیہ"، دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۸، ص: ۶۸۷
۱۲۱- محمد بن یوسف، عقود الجمان، ص: ۱۸۴، عبدالرشید نعمانی، مقدمہ، مؤطا امام محمد، ص: ۶-۷، اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۱ء، ج: ۲، ص: ۳۳۳-
۱۲۲- ایضاً، ص: ۷
۱۲۳- بزمی انصاری "فتاوی عالمگیری" دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۱۵، ص: ۱۴۷
۱۲۴- ظہور احمد اظہر، "فقہ"، ایضاً، ص: ۴۱۱